Atlantis Publications

محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید سیریز
ناول نمبر 21

جراب کا ہنگامہ

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

جراب کا ہنگامہ کی ایک بات مجھے آج تک یاد ہے...... یہ ناول ایک مختلف سائز میں اور قدرے باریک کتابت میں شائع کیے گئے تھے...... اس سائز میں یہ تجربہ بالکل نیا تھا...... اور اس ادارے نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ہمیں اپنے 16 ناول ایک ساتھ لکھ دیں۔ میں بہت خوش ہو رہا تھا...... اس لئے کہ میں ان دنوں فارغ تھا...... اور سڑکوں پر گھومتے ہوئے پبلشرز حضرات کو تلاش کرنا پڑتا تھا...... ان سے درخواست کرتا تھا کہ آپ میرا کوئی ناول چھاپ کر دیکھیں......

ان حالات میں ادارے...... یعنی ماضی کے شیخ غلام علی اینڈ سنز سے رابطہ کیا...... وہ میرے ناول شائع کرنے لگے...... ان کے لئے سب سے پہلا ناول شیشے کا بکس لکھا تھا...... ایسے سولہ سترہ ناول جب وہ شائع کر چکے تو اس نئے سائز کے لئے سولہ ناول لکھنے کے لئے کہا...... ان میں غالباً دوسرا ناول جراب کا ہنگامہ تھا...... ناول لکھ کر جب ادارے کے منیجر کو دیا اور انہوں نے پڑھا تو مجھ سے ایک سوال انہوں نے پوچھا تھا...... ان کا سوال تھا کیا جراب بھی اُلٹی اور سیدھی ہوتی ہے......

یہ ناول پڑھیں گے تو آپ کو بھی مسکرانا پڑے گا اس پس منظر میں......

ٹھک ٹھک

انسپکٹر جمشید کے سامنے بیٹھا ہوا آدمی بے چارگی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اسکے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑی اُلجھن میں مبتلا ہے۔ انسپکٹر جمشید اُسے بغور دیکھ رہے تھے۔ ابھی کل ہی تو وہ "جیل سے فرار" والے کیس سے فارغ ہوئے تھے اور فارغ ہونے کے بعد گھر پہنچے تھے تو ایک لفافہ انہیں ملا تھا۔ اس لفافے میں سے برآمد ہونے والے خط کو پڑھ کر ان پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ بعد میں انہوں نے بچوں کو بتایا کہ اب وہ اعظم گڑھ کی سیر کا پروگرام نہ بنا سکیں گے کیونکہ ان کے ریٹائرڈ ڈی آئی جی کے ایک دوست کسی مشکل میں پھنس گئے ہیں اور وہ کل کسی وقت دفتر میں مجھ سے ملنے آرہے ہیں۔ انہیں ہنسی دراصل اس بات پر آئی تھی کہ جوں ہی انہوں نے سیر کا پروگرام بنایا، ایک اور کیس آ ٹپکا، محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ یہ سن کر لٹک گئے مگر تینوں نے منہ سے کوئی لفظ نہ نکالا۔

اور اس وقت وہی شخص، یعنی ان کے ڈی آئی جی کا دوست ان کے سامنے بیٹھا ہاتھ مل رہا تھا۔ آخر جب کتنے ہی لمحے خاموشی سے گزر گئے تو ان سے رہا نہ گیا اور انہیں منہ کھولنا ہی پڑا۔

"مجھے ڈی آئی جی صاحب سے آپ کے بارے میں ہدایت مل چکی ہے۔ آپ کو جو بھی اُلجھن ہو، بے تکلف مجھے بتادیں۔"

"جی وہ ۔۔۔۔ کیا بتاؤں ۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کو کس طرح بتاؤں۔"

"آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے، بغیر جھجک کے کہہ دیں۔"

"دیکھئے حالات بہت عجیب ہیں۔ شاید آپ میری باتوں پر یقین نہ کریں اس لئے میں سوچ رہا ہوں کہ کہاں سے شروع کروں۔"

"آپ بتایئے تو سہی۔ میں ضرور یقین کروں گا۔ اس دنیا میں بھی کچھ ممکن ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا خیر سنئے ۔۔۔۔ میرا نام تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہوگا۔ میں سیٹھ ارشاد کے نام سے مشہور ہوں۔ روئی کا کاروبار کرتا ہوں۔ شہر کے عین درمیان میں میری ایک کوٹھی ہے، جس میں، میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتا ہوں۔ میری بیوی فوت ہو چکی ہے۔ گھر میں دو ملازم بھی ہیں، ایک باورچی دوسرا مالی۔ یہ دونوں ملازم کافی پرانے ہیں اور ان سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ انسپکٹر جمشید اکتا سے گئے تھے کیونکہ ابھی تک اس کی باتوں میں ایک بات بھی عجیب نہیں لگی تھی۔ آخر وہ پھر کہنے لگا:

"یہ آج سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ رات کا وقت تھا۔ میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا، اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ میں سمجھا میرا کوئی بچہ ہے۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ برآمدے میں زیرو کا بلب روشن تھا اور برآمدہ بالکل سنسان پڑا تھا۔ چند لمحوں تک میں بے خیالی کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر اس آواز کو اپنا وہم سمجھ کر دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ نیند آرہی تھی اس لئے فوراً ہی سو گیا۔

"شاید پندرہ منٹ سویا ہوں گا کہ ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی۔ پھر وہی کھٹ کھٹ ہو رہی تھی کچھ دیر تک اسے اپنا وہم سمجھتا رہا۔ آخر تنگ آکر بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت کھٹ کھٹ بند ہوگئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ اس مرتبہ بھی دروازے پر کوئی نہ تھا۔ میں بہت حیران ہوا۔ باہر نکل کر پورا برآمدہ اور صحن دیکھ ڈالا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ تنگ آکر پھر دروازہ اندر سے بند کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ سونے کی کوشش کی لیکن نیند غائب ہو چکی تھی۔ میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا اور سوچتا رہا۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ میرا کوئی نوکر اس قسم کی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور میرے بچے میری نگرانی میں پلے بڑھے ہیں، وہ بہت باادب ہیں، ان میں سے بھی کسی سے یہ امید نہیں تھی۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک بار پھر کھٹ کھٹ شروع ہوگئی، میں چونک اٹھا اور فوراً ہی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس وقت تک کھٹ کھٹ جاری تھی۔ میں نے لپک کر دروازہ کھول ڈالا۔ آپ شاید میری بات پر یقین نہ کریں گے۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو اس بار بھی دروازے پر کوئی نہ تھا ۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"لیکن کیا۔ آگے کہئے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ اب وہ اس شخص کی کہانی میں بہت دلچسپی محسوس کر رہے تھے۔

"لیکن کھٹ کھٹ ہو رہی تھی۔" اس نے کوشش کر کے ایک دم جملہ بولا۔"

"کیا؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اور بدحواسی کے عالم میں اپنے بستر پر گر گیا۔ میں بری طرح کانپ رہا تھا، جیسے کئی میل پیدل دوڑ کر آیا ہوں۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"آپ نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن آگے تو سنئے، صبح جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو میرے دروازے کے ساتھ۔۔۔" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا۔

"دروازے کے ساتھ کیا؟"

"دروازے کے ساتھ ایک جراب لٹک رہی تھی۔"

"جراب۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید ہکا بکا رہ گئے۔

"جی ہاں۔ عام جراب۔ جو ہم پیروں میں پہنتے ہیں۔ وہ ایک دھاگے میں بندھی دروازے پر لٹک رہی تھی۔"

"جراب۔ مگر یہ کیا بات ہوئی۔"

"اگر میں یہ سمجھ سکا ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا۔" سیٹھ ارشاد نے بے بسی کے عالم میں کہا۔

"حیرت ہے۔ آپ کی کہانی واقعی عجیب ہے، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کوئی رات کو دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا، جراب بھی اسی نے لٹکائی تھی۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"کیا آپ کی کہانی ختم ہو گئی؟"

"ختم کہاں ہو گئی جناب۔ اگر بات یہیں ختم ہو جاتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ میں سمجھ لیتا، کسی نے میرے ساتھ شرارت کی ہے لیکن اس سے اگلی رات پھر میرے ساتھ یہی ہوا۔"

"کیا مطلب۔ یعنی کہ پھر کھٹ کھٹ ہوئی۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"نہ صرف کھٹ کھٹ ہوئی بلکہ صبح کو ایک اور جراب بھی لٹکی ملی۔"

"ارے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! اور آج رات پھر یہی ہوا۔" سیٹھ ارشاد نے بتایا۔

"کیا؟" اس مرتبہ انسپکٹر جمشید اپنی حیرت زدہ آواز کو حلق سے نکلنے سے کسی طرح نہ روک سکے۔

☆ ☆

سردیوں کی آمد تھی۔ فرزانہ اپنی جرابیں بن رہی تھی اور بیگم جمشید، انسپکٹر جمشید کا سوئیٹر! محمود اور فاروق بے بسی کے عالم میں انہیں دیکھ رہے تھے۔ فرزانہ آج صبح سے ان سے لڑی ہوئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ فاروق نے صبح سویرے فرزانہ کی بنی ہوئی ایک تقریباً مکمل ہونے والی جراب ادھیڑ دی تھی اور محمود نے دوسری مکمل جراب کا بھی یہی حشر کیا تھا۔ اس لئے فرزانہ نے ان دونوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا اور گھر میں یہ اعلان کیا تھا کہ وہ محمود اور فاروق سے ہرگز بات نہیں کرے گی۔ بیگم جمشید نے بھی فرزانہ کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا کیونکہ انہیں بھی محمود اور فاروق کی یہ شرارت پسند نہیں آئی تھی۔ اب غریب فرزانہ دوبارہ جراب بن رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید جلدی میں تھے، اس لئے وہ اس معاملے میں ابھی تک کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اسکول سے واپس آنے کے بعد انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا اور اب ناشتے کی میز پر انسپکٹر جمشید کا انتظار کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں صلح کر لینی چاہیے۔" آخر محمود سے رہا نہ گیا۔

فرزانہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ منہ دوسری طرف کر لیا۔

"کیوں کہ لڑائی سے صلح ہر حال میں بہتر ہے۔" فاروق کا بھی منہ کھلا۔

فرزانہ اب بھی خاموش تھی۔

''امی جان، کچھ آپ ہی ہماری سفارش کر دیں۔'' محمود اب اپنی امی سے مخاطب ہوا۔

''ہرگز نہیں۔ میں اس معاملے میں تمہاری مدد نہیں کروں گی۔''

''دیکھئے امی، آخر ہم دونوں بھی تو آپ کے لال ہیں۔'' فاروق نے گڑگڑا کر کہا۔

''ضرور ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم غلط قسم کی شرارتیں کرتے پھرو۔''

''امی جان، ہم نے صرف دو جرابیں ہی تو ادھیڑی ہیں۔'' محمود جھٹ سے بولا۔

''جی ہاں۔ ان کا مطلب یہ ہے امی جان کہ ابا جان کا سویٹر نہیں ادھیڑا۔'' فرزانہ بول اٹھی۔

''شکر ہے، تمہاری زبان تو ہلی۔''

''میں نے تم سے نہیں، امی جان سے بات کی ہے۔'' فرزانہ تلملا کر بولی۔

''اور یہ جملہ کس نے کہا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

فرزانہ بھنا کر رہ گئی۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

''بھئی فاروق ایسے تو کام نہیں چلے گا۔''

''تو پھر بتاؤ نا۔ کیسے چلے گا۔''

''چلو ہم فرزانہ سے معافی مانگ لیں۔''

''تو اس میں چلنے کی کیا ضرورت ہے، فرزانہ تو یہیں موجود ہے۔'' فاروق بولا۔

''ٹھیک ہے...... تو پھر میں چلتا ہوں معافی مانگنے۔'' محمود نے ایسے انداز میں کہا کہ فاروق کو ہنسی آ گئی۔ ہنسی تو فرزانہ اور بیگم جمشید کو بھی آئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ محمود اب فرزانہ سے بولا۔

''اچھی بہن میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ تمہاری جراب نہیں ادھیڑوں

گا۔''

''اس کا مطلب ہے، سویٹر ادھیڑنے کا موقع ملا تو ضرور ادھیڑو گے۔'' فاروق بول پڑا۔

''نہیں۔ کوئی چیز بھی نہیں ادھیڑوں گا۔''

''تو پھر میں معافی چاہتا ہوں، امید ہے کہ مل جائے گی۔'' فاروق بولا۔

''نہیں ملے گی تم دونوں کو معافی۔'' فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

''خدا بھی معاف کر دیتا ہے فرزانہ رانی۔ تم تو چیز ہی کیا ہو۔''

''دیکھا امی۔ پھر میرا مذاق اڑایا۔''

''ارے نہیں، ہم مذاق نہیں کر رہے ہیں۔ ہم تو معافی مانگ رہے ہیں۔'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

''اچھا بھئی فرزانہ اب انہیں معافی دے ہی دو۔''

''امی جان، ان دونوں کو معافی نہیں مل سکتی۔ جب تک یہ مجھے بازار سے جرابیں نہ لا دیں۔''

''اچھا یہ بات ہے، ہم ابھی جرابیں لا کر دیتے ہیں۔'' محمود نے کہا اور فاروق کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں گھر سے نکل گئے۔ بیگم جمشید ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں۔

''عجیب پاگل ہیں یہ دونوں۔'' بیگم جمشید بڑبڑائیں۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجائی۔

''لیجئے امی، باہر نکلتے ہی پھر شرارت کرنے لگے۔ اب خود ہی گھنٹی بجا رہے ہیں۔''

''میں تنگ آ گئی ہوں۔ ان سے۔'' بیگم جمشید جھنجلا اٹھیں۔

گھنٹی ایک بار پھر بجی لیکن دونوں ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

''بجانے دو۔''

''اور کیا۔ خود ہی اندر آجائیں گے۔''

گھنٹی تیسری مرتبہ پھر بجی اور بجتی ہی چلی گئی۔

''ارے۔ کہیں کوئی اور نہ ہو۔'' فرزانہ چونکی۔

''تو پھر جلدی جا کر دیکھو۔''

فرزانہ دروازے کی طرف لپکی اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا دروازے پر ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں پر عینک تھی سر پر ہیٹ تھا اور ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا گتے کا ڈبا تھا۔

''فرمایئے۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ انسپکٹر جمشید کا ہی گھر ہے نا۔'' اس نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''تو یہ ڈبا انہوں نے بھیجا ہے۔ وہ کسی ضروری کام سے گئے ہیں، آج دیر سے آئیں گے۔''

''اوہ اچھا۔'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔ بوڑھے آدمی نے ڈبا اس کی طرف بڑھا دیا۔

فرزانہ نے ڈبا لے لیا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر دروازہ اندر سے بند کر کے جلدی سے صحن میں آئیں۔

''کیا بات ہے بیٹی۔''

''کوئی شخص یہ ڈبا دے گیا ہے، کہتا تھا کہ ابا جان نے بھیجا ہے، وہ دیر سے آئیں گے۔''

''فرزانہ۔ تم نے یہ اس سے کیوں لے لیا۔ کیا تم پارسل کے بم والا چکر بھول گئیں۔'' بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے امی جان۔ لیکن اس ڈبے میں بم نہیں ہو سکتا۔''

''کیا تم اسے کھول کر دیکھ چکی ہو۔''

''جی نہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اس میں بم نہیں ہے۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''اس لئے یہ بہت ہلکا ہے اور بم اتنا ہلکا نہیں ہو سکتا۔''

''پھر بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی خطرناک چیز ہو۔''

''شاید آپ کا خیال ٹھیک ہو، لیکن اس خطرناک چیز سے ہمیں ڈرنے کیا کیا ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم بے خبر نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تو پھر تم اسے کھول کر دیکھ لو۔''

''جی اچھا۔''

''فرزانہ نے گتے کے ڈبے کو کھول ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دونوں حیران رہ گئیں۔ ڈبے میں جرابیں تھیں۔

''ارے، یہ تو شاید محمود اور فاروق کی شرارت ہے۔'' فرزانہ ہنس پڑی۔

''ہاں، بالکل یہی بات ہے۔''

اسی وقت گھنٹی پھر بجی۔ گھنٹی بجانے کا انداز محمود اور فاروق کا تھا۔ ان کی عادت تھی کہ پہلے دو بار گھنٹی کا بٹن دباتے۔ یہ مخصوص انداز ان کے درمیان پہلے سے طے تھا۔ انسپکٹر جمشید کا انداز البتہ ان سے مختلف تھا۔ وہ صرف ایک بار گھنٹی کا بٹن دباتے۔

''لیجیے۔ آ گئے دونوں۔''

''دروازہ کھول دو۔''

"جی ہاں! وہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔" فرزانہ اٹھ کھڑی ہوئی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

دروازے پر محمود اور فاروق تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

"تمہاری شرارت پکڑی جا چکی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہماری شرارت۔ کیا مطلب؟"

"تم نے اس آدمی کے ذریعے جرابیں بھیجی تھیں۔ میں اور امی فوراً ہی سمجھ گئیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جلدی بتاؤ، بات کیا ہے۔" فاروق گھبرا کر بولا۔

"کیا مطلب۔ تو کیا وہ۔ وہ ڈبہ تم نے نہیں بھیجا تھا؟"

"کیسا ڈبہ۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتیں۔"

"وہی جرابوں کا ڈبہ۔"

"جرابوں کا ڈبہ۔ لیکن ہم تو تمہارے لئے جو جرابیں لائے ہیں، وہ اس لفافے میں ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ارے۔ تو پھر کیا وہ ڈبہ واقعی۔ ابا جان نے بھیجا ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"بات بھی بتاؤ۔"

فرزانہ نے انہیں ان کے جانے کے بعد جو واقعہ پیش آیا تھا، بتا دیا۔

"اوہ۔ کہاں ہے ڈبہ۔"

"اندر رکھا ہے۔"

دونوں تیزی سے اندر آئے اور اس ڈبے پر جھپٹے۔ انہوں نے ڈبے میں سے جرابیں نکال کر دیکھیں۔ اور پھر وہ چاروں حیران رہ گئے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ڈبے میں سے تین جرابیں نکلی تھیں۔

تین جرابیں

انسپکٹر جمشید سیٹھ ارشاد کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی پاگل آدمی ہو۔ آخر وہ بولے:

"کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میری کہانی پر یقین نہیں کریں گے۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ تینوں جرابیں بالکل ایک جیسی ہیں یا مختلف۔"

"بالکل ایک جیسی ہیں۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ "حیرت ہے۔ آخر اس کا مطلب کیا ہوا۔ جو کوئی بھی یہ حرکت کر رہا ہے، وہ کیا چاہتا ہے۔"

"کیا آپ اپنے گھر کے دروازے بند کر کے نہیں سوتے ہیں۔"

"بالکل بند کئے جاتے ہیں۔"

"تو پھر سب سے پہلے تو معلوم کرنے والی یہ بات ہے کہ وہ شخص بند دروازوں میں سے کیسے گھر کے اندر داخل ہوتا ہے۔"

"تو۔۔۔ تو کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں گے۔" سیٹھ ارشاد نے خوش ہو کر کہا۔

"معاملہ بہت پُراسرار ہے، اس لئے مجھے اس معاملے کو ہاتھ میں لینا ہی پڑے

گا۔ ویسے آپ سیدھے میرے پاس کیوں چلے آئے۔ آپ اپنے علاقے کے تھانے میں کیوں نہیں گئے۔"

"میرا خیال ہے، یہ معاملہ عام پولیس کے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"بہت خوب! تو آپ نے اس کا اندازہ بھی لگا لیا۔" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ حالات ہی ایسے ہیں۔"

"خیر، میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔ آپ کے گھر کا جائزہ لینا پڑے گا۔ ویسے جہاں تک میں سمجھتا ہوں، آپ کا کوئی ملازم ضرور اس شخص کے ساتھ مل گیا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میرے ملازم بہت پُرانے ہیں۔"

"بعض اوقات بڑے سے بڑا ایماندار آدمی بھی لالچ میں آ کر خود کو بیچ دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا کوئی ملازم کسی بڑے لالچ کی وجہ سے اس سے مل گیا ہو۔"

"خیر۔ آپ چل ہی رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ملازم بے ایمان نہیں ہے۔"

"تو پھر چلیے۔ میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلوں گا۔" وہ بولے۔ سیٹھ ارشاد کے چہرے پر خوشی کے آثار طاری ہوگئے۔

"آپ کے دو بچے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، صرف دو۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ دونوں دسویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔"

"بہت خوب۔"

اسی وقت چپراسی اندر داخل ہوا۔ انسپکٹر جمشید نے اکرام کو بلانے کے لیے کہا۔

چند منٹ بعد ہی اکرام اندر داخل ہوا۔

"اکرام! ہمیں سیٹھ ارشاد کے گھر تک چلنا ہے۔ تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"جی بہتر۔ کیا جیپ پر چلیں گے۔"

"جیپ کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنی گاڑی میں آیا ہوں۔ اسی پر چلتے ہیں۔"

"چلیے یونہی سہی۔"

تینوں دفتر سے باہر نکل پڑے۔ سیاہ رنگ کی مرسڈیز کار میں سیٹھ ارشاد کا ڈرائیور بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔ چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور پیشانی پر گہرے زخم کا نشان تھا جس سے اس کا چہرہ بہت خوف ناک لگ رہا تھا۔ وہ انہیں آتے دیکھ کر کار سے باہر نکل آیا اور ان کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کے ڈرائیور کا کیا نام ہے۔"

"جی ارشید خان!"

"یہ آپ کے پاس کب سے ملازم ہے۔"

"چھ ماہ ہو گئے ہیں۔"

"آپ نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کیا یہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔"

"میں۔۔۔ میں بھول گیا تھا۔ یہ بھی سرونٹ کوارٹر میں ہی رہتے ہیں۔"

"ہوں۔ مسٹر رشید۔ آپ پہلے کہاں کام کرتے رہے ہیں۔"

"جی۔ میں۔ میں ایک دوسرے شہر میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ میرا دوست ٹیکسی چلاتا تھا، اس نے مجھے ڈرائیوری سکھادی اور میں کام تلاش کرتا کرتا اس شہر میں آ گیا۔ انہیں دنوں سیٹھ صاحب نے اخبار میں ڈرائیور کی ضرورت کا اشتہار دیا۔ میں اخبار

دیکھتا رہتا تھا، چنانچہ میں سیٹھ صاحب سے ملا اور انہوں نے مجھ پر مہربانی کی اور ملازم رکھ لیا۔

''تو تم پڑھے لکھے بھی ہو۔''

''جی بس تھوڑی بہت اردو پڑھ لیتا ہوں۔''

اسی وقت کار کی رفتار آہستہ ہو گئی۔ انہوں نے چونک کر دیکھا۔ وہ ایک بہت عالی شان کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی کار کی طرف دوڑتے نظر آئے۔ ان کی عمر پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ ہو گی۔

''لو آ گئے۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''انسپکٹر جمشید کو بچے بہت پیارے لگے۔ وہ دونوں انہیں حیرت زدہ ہو کر دیکھ رہے تھے۔

''ابو! یہ کون ہیں؟'' لڑکی نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''بیٹے۔ یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے اسسٹنٹ مسٹر اکرام ہیں۔''

''اچھا وہ جرابوں والا معاملہ۔ لو آپ نے ان لوگوں کو یوں ہی تکلیف دی۔ ضرور کسی نے شرارت کی ہے۔'' لڑکا بولا۔

''ہوں۔ لیکن معلوم تو کرنا چاہیے بیٹے۔ انسپکٹر صاحب یہ ہیں میرے بچے خاور اور روحی۔ دونوں بہت شریر ہیں۔''

''آپ دونوں سے مل کر خوشی ہوئی۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

کار سے اتر کر وہ اندر آئے۔ یہاں دونوں ملازم ایک طرف ادب سے کھڑے تھے۔ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے۔

''یہ رمضو مالی ہے اور یہ غلام رسول باورچی۔''

'ہوں۔ یہ آپ کے پاس بہت عرصے سے ملازم ہیں۔''

''جی ہاں۔ پندرہ بیس سال سے۔''

''بہت خوب۔ میں سب سے پہلے ان جرابوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''جی اچھا۔ بیٹے خاور۔ وہ تینوں جرابیں تو اٹھا لاؤ۔''

''جی ابو!'' خاور نے کہا اور اندر دوڑا چلا گیا۔

جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں کوئی جراب نہیں تھی۔

''لو وہ جرابیں غائب ہیں۔'' اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' ان کے منہ سے نکلا۔

☆ ☆

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان جرابوں کو دیکھ رہے تھے۔ فرزانہ انہیں ان کے بارے میں بتاتی چلی گئی۔

''حیرت ہے۔ ابا جان نے یہ تین جرابیں کیوں بھیجیں؟'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''ہو سکتا ہے، یہ انہوں نے نہ بھیجی ہوں۔'' محمود سوچ میں گم تھا۔

''تو پھر وہ بوڑھا کون تھا جو یہ جرابیں دے گیا۔'' فاروق بولا۔

''اور اس کا مقصد کیا تھا۔'' بیگم جمشید کچھ کم حیران نہ تھیں۔

''کہیں یہ جرابیں خطرناک تو نہیں۔'' فرزانہ نے کہا۔

''حد ہو گئی۔ بھلا جرابیں کیسے خطرناک ہو سکتی ہیں۔'' فاروق جھنجلا اٹھا۔

''ہو بھی سکتی ہیں۔ شاید یہ کسی زہریلے مادے کی بنی ہوئی ہوں۔ اور ان میں سے کوئی خطرناک گیس خارج ہو رہی ہو۔'' محمود نے خیال ظاہر کیا۔

''ان جرابوں میں سے تو خیر کوئی گیس کیا خارج ہو گی؛ البتہ تمہارے دماغ سے ضرور اوٹ پٹانگ باتیں خارج ہو رہی ہیں۔''

"بھئی میں نے ایک سائنس دان کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس نے ایک ایسا دھاگہ تیار کیا تھا جس سے ہر وقت گیس خارج ہوتی رہتی تھی جو بھی اس دھاگے کو سونگھ لیتا تھا، وہیں پٹ سے مر جاتا تھا۔" محمود نے بتایا۔

"کسی ناول کے کردار نے ایسا دھاگہ ایجاد کیا ہوگا۔ ناولوں میں تو اس قسم کی گپیں ہانکی ہی جاتی ہیں۔"

"نہ مانو۔ لیکن میرا خیال یہی ہے کہ ہمیں ان تینوں جرابوں کے پاس ہی نہیں جانا چاہیے۔"

"محمود ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے ان جرابوں سے سازش کی بو آ رہی ہے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"لو اور سنو۔ تمہیں ان میں سے زہریلی گیس نکلتی محسوس ہو رہی تھی فرزانہ کو ان میں سے سازش کی بو آنے لگی۔ میں کہتا ہوں، یہ جرابیں ہیں یا بم۔"

"ہو سکتا ہے۔۔۔۔" محمود نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ فاروق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بس بس۔ میں جانتا ہوں، تمہارے خیال میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"سنو تو سہی۔ میں کہہ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ جرابیں بم سے بھی زیادہ خطرناک ہوں۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔ ان کو پروفیسر انکل کے پاس لے جائیں۔ وہ معائنہ کر کے ضرور بتا دیں گے کہ تمہیں وہم ہو گیا ہے۔"

"خیال تو اچھا ہے، لیکن ہم ایسا ابا جان کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ہاں، اگر انہوں نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی تو ہم ضرور ان کو پروفیسر انکل کے پاس لے جائیں گے۔" محمود بولا۔

اچانک فاروق قہقہہ مار کے ہنسا۔ وہ بوکھلا کر انہیں دیکھنے لگے۔

"ہائیں، تمہیں کیا ہوا؟" محمود بولا۔

"معلوم ہوتا ہے اس کا دماغ چل گیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خدا نہ کرے۔ میرے بچے کا دماغ کیوں چلنے لگا۔" بیگم جمشید بولیں۔

"امی! میں اس لئے ہنسا تھا کہ ہم ان جرابوں کو کہاں سے کہاں لے گئے۔" فاروق نے کہا۔

"لے تو ہم کہیں بھی نہیں گئے۔ یہ تو یہیں پڑی ہیں۔" محمود بولا۔

"میرا مطلب تھا، معمولی سے جرابوں کو ہم کیا سے کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ میرا خیال ہے کہ یہ ضرور ابا جان نے ہی بھیجی ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"شاید یہ کسی کیس کی کوئی کڑی ہوں۔"

"تو پھر وہ بوڑھا کون تھا۔ ابا جان نے کسی سپاہی کے ہاتھ کیوں نہیں بھیجیں، یا انکل اکرام لے کر آتے۔"

"ہاں، یہ بات بھی ہے۔ اب تو ہمیں ابا جان کا انتظار کرنا ہوگا۔ پھر ہی معلوم ہوگا۔" فرزانہ بولی۔

"میں کہتا ہوں، ان جرابوں کو ڈبے میں بند کر کے کمرے کے کونے میں رکھ دو۔" محمود نے کہا۔

"تم تو ان سے اس طرح ڈر رہے ہو جیسے ان میں سے کوئی سانپ نکل آئے گا۔" فاروق جھلا کر بولا۔

"کیا خبر نکل ہی آئے۔" محمود مسکرایا۔

"چھوڑو بھائی۔" فاروق اکتا گیا۔

"اچھا چھوڑ دیا۔ ارے۔ مگر۔" محمود کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"کیا بات ہے۔ تم رک کیوں گئے۔"

"اس بوڑھے نے کہا تھا کہ آج ابا جان دیر سے آئیں گے اور انہیں واقعی دیر ہو گئی ہے۔ تو۔ تو۔ کیا۔"

"تو کیا؟"

"تو کیا واقعی ابا جان نے ہی اس بوڑھے کو بھیجا تھا۔"

"خدا جانے کیا چکر ہے۔ آخر ابا جان اب تک کیوں نہیں آئے۔"

"کیا میں معلوم کروں فون کر کے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں۔ جاؤ۔ جا کر فون کرو۔"

"فرزانہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

"آ گئے ابا جان۔" وہ دوڑی۔

انسپکٹر جمشید واقعی آ گئے تھے لیکن کچھ خاموش تھے۔ ان کے ساتھ اکرام بھی تھا۔ اندر آتے ہی ان کی نظر جرابوں کے ڈبے پر پڑی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"تو کیا یہ آپ نے نہیں بھیجیں۔"

"میں نے۔ نہیں تو۔ کیا ہے۔"

"تین جرابیں۔"

"کیا؟" انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولے۔

"جی ہاں۔ لیکن تینوں جرابیں ایک سی ہیں۔" محمود نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"کیا؟" اس مرتبہ انسپکٹر جمشید کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تیزی سے ان جرابوں کی طرف بڑھے۔

بے ہوشی

"اکرام! معاملہ ہر لمحے پُراسرار ہوتا جا رہا ہے۔ تم فوراً بیگم شیرازی کے ہاں سے سیٹھ ارشاد کو فون کر کے معلوم کرو ان کو جو تین جرابیں دروازے سے لگی ملی تھیں وہ کیسی تھیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اکرام نے کہا اور فرزانہ کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

"ابا جان۔ یہ کیا معاملہ ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"بیٹے ذرا ٹھہرو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔" وہ بولے اور تینوں انہیں حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ پھر اکرام اندر داخل ہوا۔

"جناب، تینوں جرابیں جو سیٹھ ارشاد کو ملیں وہ ایک جیسی تھیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں انہی جرابوں کے ساتھ کی ہیں۔"

"جی ہاں، اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تب تم فوراً سیٹھ ارشاد کے پاس جاؤ۔ یہ جرابیں لے جاؤ۔ سیٹھ ارشاد سے معلوم کرنا ہے کہ آیا وہ جرابیں ان جیسی ہی تھیں۔"

"جی بہت اچھا۔" اکرام جانے کے لئے مڑا۔

"اور ہاں۔" انسپکٹر جمشید بولے اٹھے۔ "تم اپنے دو آدمی فوراً سیٹھ ارشاد کی کوٹھی پر مقرر کر دو۔ ان کو ڈرائیور رشید کا حلیہ بتا دینا۔ ان دونوں کو رشید کی نگرانی کرنا ہوگی۔ وہ کوٹھی سے نکل کر کہاں جاتا ہے۔ کس سے ملتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ اس کی پل پل کی رپورٹ مجھے ملنی چاہیے۔"

"جی بہت بہتر۔"

"ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔ بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ معاملہ حد درجے پُراسرار ہے اور ابھی تک میں نہیں سمجھ سکا کہ اسکا مقصد کیا ہے۔"

"بہت بہتر۔" اکرام نے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

"ابا جان! کچھ ہمیں بھی بتایئے۔ آخر بات کیا ہے۔" فرزانہ نے بے تابی سے کہا۔

"ہاں، اب تو تمہیں بتانا ہی ہوگا۔ کیونکہ جرابیں تم تک پہنچ چکی ہیں۔"

"پہلے تم بتاؤ، یہ یہاں کیسے پہنچیں؟"

"ایک بوڑھا آدمی دے گیا ہے۔" فرزانہ نے بتایا۔ "اس نے کہا تھا کہ یہ آپ نے بھیجی ہیں۔"

"کیا اس نے میرا نام لیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"اس کا حلیہ کیسا تھا۔"

"اس کے سر کے بال سفید تھے، آنکھوں پر عینک تھی، رنگ گندمی تھا۔"

"یہ تو کوئی خاص حلیہ نہ ہوا۔ کوئی اور بات بتاؤ۔"

"جی اس سے زیادہ تو میں نہیں دیکھ سکی۔ وہ رُکا ہی نہیں تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید انہیں سیٹھ ارشاد کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتانے لگے۔

انہیں یہ بھی بتایا کہ انہیں سیٹھ ارشاد کے بارے میں آئی جی صاحب نے انہیں خط لکھا تھا۔

تینوں حیرت زدہ انداز میں یہ کہانی سن رہے تھے اور بیگم جمشید کب کی باورچی خانے میں جا چکی تھیں۔ انہیں اس قسم کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"حیرت ہے۔ آخر وہ کون ہے۔" ان کے خاموش ہونے کے بعد فرزانہ بولی۔

"اور کیا چاہتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ان دونوں باتوں سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ گھر میں کیسے داخل ہو جاتا ہے۔ کیا وہ گھر کا ہی کوئی فرد تو نہیں۔" فاروق نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"گڈ۔ فاروق نے اچھی بات کہی۔" انسپکٹر جمشید نے تعریف کی۔

"لیکن، ایک اور بات بھی ہے۔ تیسری رات جب سیٹھ ارشاد نے دروازہ کھولا تو کھٹ کھٹ بدستور ہو رہی تھی لیکن دروازے پر کوئی بھی نہ تھا۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔" فرزانہ نے سوال اٹھایا۔

"بہت خوب، تم نے بھی بہت اچھی بات سوچی۔"

"اب رہ گیا میں۔ تو میں کیا سوچوں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔ جس پر انہیں ہنسی آ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"کیا سمجھ گئے۔" فاروق نے پوچھا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا۔" محمود مسکرایا۔

"اوہ! ہم سمجھ گئے۔" فرزانہ نے اُسے گھورا۔

"کیا سمجھ گئے۔"

"یہ کہ تم کچھ وچھ نہیں، یونہی رُعب جھاڑ رہے ہو۔"

"چلو یہی سہی۔ ابا جان! میں چاہتا ہوں۔۔۔۔" محمود کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، ہم تینوں وہاں جا کر تفتیش کریں۔"

"یہ کام تمہارے لئے مشکل ثابت ہوگا، کیونکہ معاملہ بہت اُلجھا ہوا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم دیکھیں گے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔ مگر ایک شرط ہے۔"

"ضرور بتایئے۔ ہم آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہیں۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔"

"گویا آپ یہ کیس مکمل طور پر ہمارے سپرد کر رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"بہت خوب۔ مزہ آ گیا۔ یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں۔" فاروق نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ تم وہاں کس وقت جانا چاہتے ہو۔"

"کل اتوار ہے۔ کل کا دن ہم وہیں گزاریں گے۔" محمود نے کہا۔

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ایک دن میں ہی کیس حل ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر نہ ہوا تو سوموار کو ہم اسکول سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جائیں گے اور جتنے دن کیس حل نہیں کر لیتے، یہی کرتے رہیں گے۔"

"اور رات کو تم کہاں رہو گے؟"

"رات کے وقت ہم یہاں آ جایا کریں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے، میں سیٹھ ارشاد کو فون کر دیتا ہوں۔"

"شکریہ ابا جان۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

☆ ☆

دوسرے دن تینوں صبح سویرے سیٹھ ارشاد کے دروازے پر پہنچ گئے۔ محمود نے گھنٹی بجائی تو ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا اور پلکیں جھپکاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگے۔

"بابا! تم کون ہو؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، ہم سیٹھ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ اب سنو۔ میرا نام رمضو مالی ہے، کیا خیال ہے کیا میں تمہیں شکل و صورت سے مالی نظر نہیں آتا۔"

"جی۔ جی نہیں تو۔" فاروق گھبرا گیا۔

"تو کیا میں گھر کا مالک نظر آتا ہوں۔"

"جی۔ جی نہیں۔" فاروق پھر بولا۔ محمود اور فرزانہ بوڑھے کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"آخر میں کیا نظر آتا ہوں تمہیں۔"

"بابا۔" فاروق نے بے ساختہ کہا اور محمود اور فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔

اسی وقت دروازے پر ایک نوجوان لڑکا نمودار ہوا اور بولا:

"کیا بات ہے رمضو بابا!"

"بیٹے، میں ان لوگوں کو مالی نظر نہیں آتا۔ ہے نا عجیب بات۔"

"اف فوہ! آپ تو ہر ایک سے یہی بات پوچھنے لگ جاتے ہیں۔" یہ لوگ کون

ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں؛ البتہ یہ سیٹھ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''اندر آ جائیے۔'' لڑکا بولا۔

تینوں اسکے ساتھ اندر داخل ہوئے اور ایک کمرے میں پہنچے۔ جب یہ کمرے میں داخل ہو رہے تھے تو ایک خوفناک شکل والا آدمی انہیں کمرے سے نکلتا نظر آیا۔ اس کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں اور پیشانی کے بیچوں بیچ زخم کا نشان تھا۔ اسکا چہرہ بہت ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ تینوں سمجھ گئے کہ یہ ضرور رشید خان ڈرائیور ہے۔

سیٹھ ارشاد نے انہیں پہلے تو حیران ہو کر دیکھا پھر ایک دم چونک کر بولے:

''اوہ، تم تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے تو نہیں ہو۔''

''جی ہاں۔ آپ ٹھیک سمجھے۔ میں فاروق ہوں، یہ محمود اور یہ۔۔۔'' فاروق تعارف کرانے لگا تو فرزانہ نے اسکی بات کاٹ دی۔

''میرا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ انکل خود ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ میں فرزانہ ہوں۔''

''ہاں، بالکل۔'' سیٹھ ارشاد مسکرائے۔ ''یہ میرا بیٹا خاور ہے اور۔۔۔ بیٹے، روحی کہاں ہے۔''

''جی اپنے کمرے میں۔''

''جاؤ اسے بلا کر لے آؤ۔''

''جی اچھا۔'' خاور نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

''بیٹھو بیٹھو۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اس گھر کی ہر چیز کو بے تکلفی سے استعمال کرو۔''

''شکریہ انکل۔''

''انسپکٹر صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم تینوں اس چکر کا پتا چلاؤ گے۔''

''جی ہاں! خیال تو یہی ہے۔''

''مجھے حیرت ہے، آخر تم کیسے پتا چلاؤ گے۔''

''بس دیکھتے جائیے۔ ہم ابھی تھوڑی دیر بعد ہی کام شروع کر دیں گے۔''

''میں خدا سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اسی وقت خاور دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''ابو! ابو!'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے بیٹا۔'' سیٹھ ارشاد گھبرا گئے۔ تینوں بھی اسے چونک کر دیکھنے لگے۔

''لو۔ وہ۔ وہ۔ روحی۔''

''کیا ہوا روحی کو۔'' سیٹھ ارشاد جلدی سے بول۔

''وہ۔ وہ۔ اپنے کمرے میں فرش پر بے ہوش پڑی ہے۔''

''کیا۔؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''دوسرے ہی لمحے وہ سب روحی کے کمرے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

☆☆☆

قدموں کی آواز

کمرے کے فرش پر چودہ پندرہ سال کی خوبصورت لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے بال فرش پر بکھر گئے تھے۔ سیٹھ ارشاد اسے اس حال میں دیکھ کر بُری طرح گھبرا گئے۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اس کا سر گود میں لے کر بولے:

"روحی۔۔۔روحی۔۔۔میری بچی تمہیں کیا ہو گیا۔ خاور ڈاکٹر کو فون کرو جلدی۔ اور رمضو بابا سے کہو، دوڑ کر پانی لائے۔"

خاور کمرے سے دوڑتا ہوا نکل گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی روحی پر جھک گئے۔ محمود نے اس کی آنکھوں کے پپوٹے اُٹھا کر دیکھے اور چھوڑ دیے۔ فاروق نبض دیکھنے لگا۔ فرزانہ اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھ رہی تھی۔

"نبض تو ٹھیک چل رہی ہے۔"

"اور دل کی رفتار معمول سے زیادہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اچانک واقعہ پیش آیا ہو گا۔"

"ہوں، نہ جانے یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں۔" سیٹھ ارشاد بڑبڑائے اتنے میں رمضو بابا ایک جگ میں پانی لئے اندر آیا۔

جونہی روحی کے منہ پر چھینٹے مارے گئے، اس نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت زدہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اس کے لب پھڑپھڑائے۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟"

"یہ تو تم بتاؤ بیٹی، ہم نے تمہیں فرش پر بے ہوش پڑے پایا تھا۔"

"مجھے۔۔۔فرش پر۔۔۔حیرت ہے۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔"

"تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا بیٹی؟"

"میرے ساتھ۔ اوہ ہاں! یاد آیا۔ میں کرسی پر بیٹھی اسکول کا کام کر رہی تھی کہ قدموں کی آواز سُنی۔ میں سمجھی، بھائی جان ہوں گے اس لئے دروازے کی طرف مڑ کر نہ دیکھا۔ قدموں کی آواز میرے پاس آکر رُک گئی۔ میں نے پوچھا، بھائی جان کیا بات ہے۔ کوئی جواب ملنے کی بجائے دو خوفناک ہاتھ میرے گلے کی طرف بڑھے اور انہوں نے گلے کو دبانا شروع کر دیا۔ میرے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔"

یہ کہتے وقت روحی کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔ محمود نے سوال کیا:

"کیا آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟"

"افسوس نہیں۔ میں تو اپنا رُخ موڑ ہی نہیں سکی تھی اور وہ میری کمر کی طرف کھڑا تھا، البتہ۔۔۔"

"البتہ کیا؟" فرزانہ نے بے چینی سے کہا۔

"البتہ میں نے اس کے ہاتھ ضرور دیکھے تھے، ان کا رنگ سیاہ تھا اور ان کی پشت پر لمبے لمبے بال تھے۔"

"سیاہ ہاتھ۔ لمبے لمبے بال۔" سیٹھ ارشاد بڑبڑائے۔

اسی وقت خاور اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:

"ابو میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔۔۔ارے! روحی تو ہوش میں آ گئی۔"

"ہاں! اب ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔" سیٹھ صاحب بولے۔

"نہیں انکل ڈاکٹر کو آ جانے دیجیے۔ کہیں ان کے گلے کی کسی رگ کو نقصان نہ پہنچا
و۔" محمود نے کہا۔

"اچھا۔ آخر وہ کون ہے اور چاہتا کیا ہے؟"

"یہ وہی تھا جو آپ کے دروازے پر راتوں کو دستک دیتا رہا ہے اور جس نے
دروازے پر جرابیں لٹکائیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن ان بے تکی حرکتوں سے آخر اس کا مقصد کیا ہے؟"

"شاید وہ آپ کو ڈرانا چاہتا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیوں، مجھے ڈرا کر اسے کیا ملے گا۔"

"وہ آپ کو اس حد تک ڈرا دینا چاہتا ہے کہ بعد میں وہ جو بھی آپ سے مطالبہ
کرے، آپ بے چون و چرا پورا کر دیں۔" محمود سوچ میں ڈوبا ہوا بولا۔

"حیرت ہے۔ تمہارے ذہن میں یہ بات آ گئی، جب کہ میں تین دن سے سوچ
رہا ہوں اور اس میں نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

"ہم اس قسم کے حالات میں اکثر گھرے رہتے ہیں۔ خیر، آپ فکر نہ
کریں۔۔۔ اور ہاں رمضو بابا۔۔۔ ذرا آپ رشید خان کو تو بلا لائیں۔ فاروق نے کچھ
سوچ کر کہا۔

"کیوں۔۔۔ کہیں جانے کا ارادہ ہے۔" رمضو بابا نے الٹا سوال کیا۔

"اوہو بابا۔ تم رشید خان کو بلا کر تو لے آؤ، پھر سوال یہ بھی کر لینا۔" خاور نے جھنجلا
کر کہا۔ رمضو بابا جلدی سے چلا گیا۔

"یہ رمضو بابا بھی عجیب ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بیٹی، اس گھر کا بہت پرانا ملازم ہے۔ ساری عمر اسی گھر میں گزر گئی۔"

"ہوں۔ اور وہ۔۔۔ غلام رسول باورچی۔۔۔"

"اسے بھی یہاں پانچ سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔"

اسی وقت ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔

"لو وہ خود ہی آ گیا۔"

"یہ غلام رسول ہے۔"

"ہاں۔" سیٹھ ارشاد بولے۔

"سرکار، میں تو آپ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آج کیا پکے گا۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس کی طرف دیکھا اور چونک اٹھے، اس کے ہاتھ
سیاہ رنگ کے تھے اور ان پر لمبے لمبے بال تھے۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو؟" محمود نے اچانک اس سے سوال کیا۔

غلام رسول نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر سیٹھ ارشاد سے کہنے لگا:

"حضور، یہ کون لوگ ہیں اور مجھ سے سوال کیوں کر رہے ہیں۔"

"یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں، جو انہوں نے پوچھا ہے پہلے اس کا جواب دو۔"

"میں باورچی خانے میں تھا، کیوں کیا بات ہے۔"

"تو تم تھوڑی دیر پہلے اس کمرے میں نہیں آئے تھے؟" فاروق نے اسے
گھورا۔

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"اپنا جوتا دکھاؤ۔" فاروق نے کہا۔ محمود اور فرزانہ اسے گھورنے لگے۔ وہ حیران
تھے کہ فاروق کو کیا سوجھ رہی ہے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے اپنے جوتے کا تلا دکھاؤ۔"

"آخر بات کیا ہے۔؟"

"جوتے کا تلا دکھاؤ۔" فاروق تیز لہجے میں بولا

غلام رسول گھبرا کر جوتا اوپر اٹھا کر ان کے سامنے کر دیا۔ اسی وقت رشید خان اندر داخل ہوا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا بات ہے جناب، سب لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہیں۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ رشید خان کے ہاتھوں کا رنگ بھی سیاہ تھا اور ان پر لمبے بال بھی تھے۔

وہ تینوں اپنے کمرے میں موجود تھے۔ انہوں نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہاں آتے ہی حالات اس قدر تیزی سے پیش آئے تھے کہ انہیں رات کو بھی یہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ سیٹھ ارشاد نے فون کر کے انسپکٹر جمشید کو ان کے اس فیصلے کی اطلاع دی تھی، امید کے مطابق انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور خوشی سے اجازت دے دی۔

کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں اور تینوں سر جوڑے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

"یہ کیس تو بس حل ہوا ہی چاہتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ چٹکی بجاتے حل ہو جائے گا۔" فاروق نے سر ہلایا۔

"آخر کیسے۔ میں بھی تو سنوں۔" محمود نے حیرت ظاہر کی۔

"کیوں، کیا تم ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"پہلے مجھے اپنے اندازوں کے بارے میں بتاؤ۔" محمود نے سوال کیا۔

"رشید خان ڈرائیور اور غلام رسول باورچی میں سے ایک مجرم ہے۔"

"بالکل، یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے۔" فرزانہ چہکی۔

"چلو میں مان لیتا ہوں کہ ان دونوں میں ایک مجرم ہے، لیکن ابھی ہمیں یہ معلوم

کرنا ہے کہ وہ کون ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا طریقہ میں نے سوچ لیا ہے۔"

"تفصیل پیش کرو۔" فاروق نے افسرانہ شان سے اکڑ کر کہا۔

"افسری نہ جھاڑو۔ ہم تمہارے ماتحت نہیں ہیں۔" محمود نے جل کر کہا۔

"بالکل۔" فرزانہ نے اس کی تائید کی۔ "ہمارے عہدے برابر ہیں۔ ہمیں ایک جیسے اختیارات ملے ہوئے ہیں۔"

"اچھا بابا۔ یونہی سہی۔ چلو تفصیل بتاؤ۔" محمود نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"تفصیل یہ ہے کہ ہم آج رات سوئیں گے نہیں۔"

"واہ، کیا زبردست تفصیل ہے۔" محمود نے اسکا مذاق اڑایا۔ "ہم رات کو سوئیں گے نہیں۔"

"پہلے سن تو لو۔"

"اچھا سناؤ۔"

"ہم رشید خان اور غلام رسول کی نگرانی کریں گے، دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں سے رات کے وقت کوئی اٹھ کر اپنے کمرے سے نکلتا تو نہیں۔"

"چاہے وہ پانی پینے کے لئے ہی کیوں نہ نکلے، تم اسے مجرم سمجھ لو گے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"ہم اتنے بے وقوف نہیں۔" فرزانہ تلملائی۔

"تو پھر کتنے ہو۔" محمود نے تیزی سے کہا۔

"آج میری بجائے تم مذاق کر رہے ہو۔ حیرت ہے۔" فاروق نے واقعی حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"اس کی بھی وجہ ہے۔"

"اور وہ کیا ہے؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"نہیں بتاؤں گا۔ پہلے تم اپنی تفصیل بتاؤ۔"

"بس بتا تو دی۔ ہم ان کی نگرانی کریں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔ لیکن ہم تین ہیں اور نگرانی دو آدمیوں کی جائے گی۔" محمود نے سوال کیا۔

"میں اور فرزانہ رشید خان کے کمرے کے باہر ٹھہریں گے، تم غلام رسول کا پہرہ دینا۔"

"یہ ٹھیک نہیں رہے گا۔" محمود بولا۔ اس کے چہرے پر سوچ کے آثار تھے۔

"تو پھر کیا ٹھیک رہے گا۔"

"تم رشید خان کی نگرانی کرو گے، فرزانہ غلام رسول کی اور۔۔۔"

محمود کہہ رہا تھا کہ فرزانہ نے بات کاٹ دی۔

"اور تم کمرے میں مزے سے سوؤ گے۔"

"مجھے سونے کا اتنا شوق نہیں، میں اس پورے مکان کو دیکھتا پھروں گا۔ ہو سکتا ہے، کوئی کام کی چیز مل جائے اور ہم اس کی مدد سے مجرم کو پہچان لیں۔"

"یہ فیصلہ ہر لحاظ سے بہترین ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔" فرزانہ سوچتی ہوئی بولی۔

"میں جانتا ہوں، تم سوال پیدا کرنے کی ماہر ہو، خیر بتاؤ۔"

"تم اندھیرے میں پورے مکان کی تلاشی کس طرح لیتے پھرو گے۔"

"میرے پاس پنسل ٹارچ ہے۔"

"اور اگر اس کی روشنی کسی نے دیکھ لی۔"

"اوّل تو اس کا امکان نہیں اور اگر کسی نے دیکھ بھی لی تو کیا ڈر ہے، ہم کوئی چور تو

نہیں ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے، ہم واقعی چور نہیں ہیں۔" فاروق بولا۔

"بس تو پھر یہ پروگرام طے رہا۔"

"ہاں ٹھیک۔۔۔۔"

فرزانہ کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کیا بات ہے، خیر تو ہے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"دروازے پر کوئی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"تم جانتے ہو، میرے کان کتنے تیز ہیں، میں نے ایک ہلکی سی آہٹ سنی ہے، تم دونوں یہیں بیٹھے آہستہ آواز میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہو۔ میں دروازے پر پہنچ کر ایک دم دروازہ کھولوں گی۔"

"اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

فرزانہ اٹھی اور دیوار سے لگ کر دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ وہ دروازے پر پہنچ گئی۔ اس نے دھیرے دھیرے چٹخنی گرائی اور ایک دم دروازہ کھول دیا۔

محمود اور فاروق بھی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر کوئی بھی نہ تھا؛ البتہ برآمدے میں سے دوڑتے قدموں کی آواز ضرور آ رہی تھی اور برآمدے میں گہری تاریکی تھی۔

تینوں قدموں کی آواز کے پیچھے لپکے۔

☆☆☆

سیاہ پستول

وہ برآمدے میں دور تک دوڑتے چلے گئے لیکن انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹے۔ تینوں کے چہروں پر الجھن تھی۔

"تو تمہارا خیال ٹھیک تھا۔ کوئی ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔" محمود بولا۔

"بالکل، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کوئی بات نہیں سن سکا ہوگا کیونکہ ہم بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔" فرزانہ بولی۔

"ہو سکتا ہے، اسکے کان بھی تمہاری ہی طرح تیز ہوں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اپنے پروگرام پر اسی وقت سے عمل شروع کر دینا چاہیے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، فاروق تم رشید خان ڈرائیور کے کمرے کے سامنے پہنچ جاؤ، اور فرزانہ تم غلام رسول باورچی کی نگرانی کرو۔ دونوں کسی ایسی جگہ چھپنا، جہاں سے نظر نہ آسکو۔"

"مطمئن رہو۔ ویسے تم کیا کرو گے۔"

"پورے مکان میں دیکھتا پھروں گا۔"

"تو پھر دیر کیوں کی جائے۔"

"تینوں برآمدے میں سے ہوتے ہوئے مختلف سمتوں میں مڑ گئے۔ وہ دن میں پورے مکان کو دیکھ چکے تھے اور وہ جان چکے تھے کہ کس کس کا کمرہ کہاں ہے۔

فاروق آسانی سے رشید خان کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ کمرے کے سامنے ایک موٹا سا گول ستون تھا، اسے چھپنے کے لئے یہ جگہ بہت مناسب معلوم ہوئی۔ وہ بہت دیر تک تو کھڑا رہا، جب تھک گیا تو ستون سے کمر لگا کر بیٹھ گیا۔ نگرانی کرنا کافی اُکتا دینے والا کام ہے اور فاروق بُری طرح اکتا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اب تو وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ ان کا طریقہ بالکل غلط ہے کچھ اور کرنا پڑے گا۔ ابھی وہ اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آہٹ سنائی دی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور رشید خان کے کمرے پر نظریں جما دیں۔ کمرے میں کسی کے قدموں کی چاپ ایک بار پھر گونجی، پھر دروازہ آہستہ آہستہ، رشید خان نے دروازے میں سے سر باہر نکال کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر فاروق کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

رشید خان کمرے سے نکل کر ایک سمت میں چل پڑا تھا۔ فاروق دیوار سے لگا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اس پر جوش طاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو اس پر اکتاہٹ سوار ہو گئی تھی اب اسکا دُور تک پتا نہیں تھا۔

اچانک رشید خان مڑا اور کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ اب فاروق کے لئے بھی باہر نکلنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ اس نے سوچا۔ کاش؛ وہ محمود اور فرزانہ کو خبردار کر سکتا، مگر اس کا وقت نہیں تھا۔ رشید خان اس کی نظروں سے اوجھل ہو سکتا تھا۔

باہر تاروں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس مدھم روشنی میں اسے رشید خان ایک سائے کی طرح کوٹھی کے پچھلی طرف جاتا نظر آیا۔ فاروق اب بھی دیوار کے ساتھ لگا اس کے پیچھے تھا۔

ایک جگہ رشید خان رک گیا۔ فاروق یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ آخر یہ کرنا کیا چاہتا ہے۔ رشید خان نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے دیوار کو کیلا۔ فاروق چونکہ دیوار سے لگا ہوا تھا، اس لئے دیکھ نہ سکا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے اُسے دیوار سے ہٹنا پڑا۔

اب اس نے دیکھا کہ رشید خان کوٹھی کے کسی کمرے کی کھڑکی کے نیچے کھڑا تھا جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔

دوسرے ہی لمحے رشید خان نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھے اور اچک کر کمرے کے اندر کود گیا۔

☆☆

فرزانہ غلام رسول کے کمرے سے کچھ دُور دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر اُکتاہٹ کے آثار تھے۔ اسے محمود پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کیونکہ اس کے خیال میں مزے دار کام تو اس نے چن لیا تھا اور اکتا دینے والا کام اس کے اور فاروق کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ جاسوسی کے کاموں میں اور تو سب کچھ کر سکتی تھی، نگرانی کا کام نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا، کیوں نہ اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جائے۔ یہ غلام رسول تو کمرے سے نکلتا نظر آتا نہیں۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ غلام رسول کا دروازہ کھلا اور وہ اس میں سے باہر نکلا۔

فرزانہ چونک اٹھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اب کام میں دلچسپی شروع ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا، مار لیا میدان، میں محمود اور فاروق سے بازی لے گئی۔ وہ دونوں تو ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوں گے، جبکہ میں کوئی کام کر دکھاؤں گی۔

ابھی وہ انہی خیالات میں تھی کہ غلام رسول کوٹھی کے اندر ایک طرف جاتا نظر آیا۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔ غلام رسول اس سے بے خبر آگے چلا جا رہا تھا۔ اس

نے اِدھر اُدھر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ چلتے چلتے وہ ایک کمرے کے سامنے رُک گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے چٹخنی گرائی اور اندر داخل ہو گیا۔ فرزانہ اور آگے بڑھی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جس کمرے میں غلام رسول داخل ہوا تھا، وہ باورچی خانہ تھا۔ ارے، یہ غلام رسول، باورچی رات کے وقت باورچی خانے میں کیا کرنے آیا ہے۔

اس کے ذہن میں یہ سوال گونجا ہی تھا کہ اندر روشنی ہو گئی۔ فرزانہ تیزی سے کھسکتی ہوئی کمرے کے دوسری طرف چلی گئی۔ اگر وہ دروازے کے سامنے کھڑی رہتی تو ضرور دیکھ لی جاتی اور ان کا سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ دوسری طرف باروچی خانے کی کھڑکی تھی لیکن کھڑکی بند تھی۔ اس نے جھری میں سے اندر دیکھنا چاہا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ اب اس نے سوچا، خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ دیوار کے ساتھ لگ کر دروازے کی طرف کھسکنے لگی۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ نہ جانے غلام رسول اندر کیا کر رہا تھا۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ پھر دروازے تک پہنچ گئی اور اس نے دروازے میں جھری تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اس دروازے میں بھی کوئی جھری نہ تھی۔ اب تو فرزانہ کی مایوسی کی کوئی حد نہ رہی۔ آخر اس نے ایک اہم فیصلہ کیا۔ اس نے دل میں کہا:

"میں دروازہ کھول کر دیکھوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

یہ ایک خطرناک قدم تھا۔ ان کا کھیل خراب ہو سکتا تھا لیکن اب اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ اس نے دروازے پر دایاں ہاتھ رکھا اور ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ تھوڑا سا ہٹا۔ اب بھی اسے اندر کچھ نظر نہ آیا تو اس نے دروازہ کچھ اور دھکیلا۔

اسے باورچی خانے کا کچھ حصہ نظر آنے لگا لیکن اس حصے میں غلام رسول نہیں تھا۔

شاید وہ دوسری طرف تھا۔ فرزانہ جھنجلا اٹھی۔ اس نے غصے کے عالم میں دروازہ تقریباً آدھا کھول دیا۔

دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ غلام رسول باورچی، باورچی خانے میں نہیں تھا۔

☆ ☆

محمود نے سب سے پہلے ڈرائنگ روم کا رُخ کیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کمرے میں کوئی نہیں ہوگا اور وہ اطمینان سے اس کی تلاشی لے سکے گا۔ اس کے پاس پنسل ٹارچ موجود تھی اس لئے اس نے کمرے کی بتی نہیں جلائی۔ کمرے کا سامان بہت قیمتی تھا۔ الماریاں بند تھیں اور انہیں کھولنا محمود کے بس کا روگ نہیں تھا۔ پورے کمرے کی تلاشی لینے کے بعد بھی اسے ایسی کوئی چیز نہ ملی جس سے کوئی مدد مل سکتی۔ مایوس ہو کر وہ باہر نکلا۔ اب اس کا رُخ سیٹھ ارشاد کے کمرے کی طرف تھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا، لیکن ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ وہ کھڑکی کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سیٹھ ارشاد خراٹے لے رہے تھے۔

محمود پورے کمرے کا بغور جائزہ لینے لگا۔ تپائی پر گولیوں کی ایک شیشی رکھی تھی۔ اسے اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا، وہ نیند لانے والی گولیاں تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیٹھ ارشاد کو نیند نہ آنے کی شکایت تھی اور وہ سونے سے پہلے گولیاں کھانے کے عادی تھے۔ تپائی کے پاس ہی ریڈیو گرام رکھا تھا۔

اس نے الماریوں کو کھول کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن الماریاں بند تھیں۔ آخر وہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھا۔ اس نے کتابیں اِدھر اُدھر کر کے دیکھا لیکن کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ اس کی مایوسی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا اب اس سے چلنا چاہیے۔ ابھی کئی کمرے رہتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔

اچانک اسے ایک خیال تیزی سے آیا وہ چونکا، اس نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور ریڈیو گرام کے پاس آیا۔ ریڈیو گرام کے اوپر ایک اور چیز رکھی تھی۔ محمود پُرجوش انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

اسے جس چیز کی تلاش تھی، وہ اس کی نظروں کے سامنے تھی۔ اُسے یہ کیس حل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ خوش خوش کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اچانک وہ رُک گیا۔ کھڑکی میں کوئی کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا رُخ محمود کی طرف تھا۔

''خبردار۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ گولی ماردوں گا۔''

اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔ محمود نے اس کی آواز پہچان لی۔ یہ خاور تھا، لیکن خاور نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ کیونکہ وہ اندھیرے میں تھا۔

''کون ہو تم؟'' خاور نے پوچھا۔

''محمود۔''

''محمود۔ ارے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' پستول والا ہاتھ نیچے گر گیا۔

''کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔'' محمود نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''ہم یہاں اس چکر کا پتا چلانے آئے ہیں، اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس گھر کے ہر کمرے کی تلاشی لی جائے۔''

''اوہ۔ میں سمجھا، کوئی چور گھس آیا ہے۔'' خاور بولا۔

''لیکن آپ نے مجھے کیسے دیکھ لیا۔''

''میرا کمرہ ساتھ ہی ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اچانک میں نے دھم کی آواز سُنی۔ شاید یہ آپ کے کھڑکی سے کمرے میں کودنے کی آواز تھی۔ میں آواز سن کر باہر نکل آیا اور میں نے یہاں ٹارچ کی روشنی اِدھر سے اُدھر گردش کرتی دیکھی۔ میں سمجھا

کوئی چور ہے۔"

"بہت خوب۔ میرا یہاں کام ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے اب میں چلوں گا۔

"کیا بات ہے بیٹا۔" سیٹھ ارشاد کی آواز آئی۔ ان کی آنکھ کھل گئی تھی۔

خاور نے ہنستے ہوئے انہیں ساری بات بتائی۔

"اگر یہ ضروری تھا تو تم دن میں ہر کمرے کی تلاشی لے سکتے تھے۔" سیٹھ ارشاد بولے۔

"ہم یہ کام کسی کو بتائے بغیر کرنا چاہتے تھے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔"

"خاور صاحب! آپ کے پاس پستول کہاں سے آیا۔" محمود نے اچانک پوچھا۔

"یہ۔۔۔ ارے یہ تو نقلی ہے۔" خاور ہنسا۔

"ارے، ذرا دیکھوں تو۔" محمود حیران رہ گیا۔

اس نے خاور سے پستول لے کر دیکھا۔ وہ حقیقت میں نقلی تھا۔

☆☆☆

چابیوں کا گچھا

فاروق سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے لئے دو ہی راستے تھے۔ یا تو وہ کھڑکی کے نیچے کھڑا رہ کر رشید خان کی واپسی کا انتظار کرتا یا پھر خود بھی کھڑکی کے ذریعے کمرے میں کود جاتا لیکن ایسا کرنے میں خطرہ تھا اور آخر فاروق نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ باہر رہ کر وہ یہ نہیں جان سکتا تھا کہ رشید خان کس کمرے میں گیا ہے اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

اس نے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھے ا۔ اچک کر کھڑکی پر سوار ہو گیا۔ کمرے میں تاریکی تھی، اس لئے اسے کچھ نظر نہ آیا۔ چند سیکنڈ تک کھڑکی کی چوکھٹ پر ہی بیٹھا رہا۔ آخر کمرے میں لٹک گیا۔ اس کے پاؤں فرش سے لگ گئے تو اس نے چوکھٹ کو چھوڑ دیا۔

اب وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، کیا رشید خان اسی کمرے میں موجود ہے یا اس میں سے نکل کر کسی اور کمرے میں چلا گیا ہے۔

چند منٹ گزرنے کے بعد اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں اور اس نے دیکھا کہ کمرہ خالی پڑا تھا۔ یہ شاید کوٹھی کا اسٹور روم تھا۔ فاروق دروازے پر آیا جو تھوڑا سا کھلا تھا۔ شاید رشید خان اسے کھول کر باہر نکلا تھا۔

یہ کمرہ کوٹھی کے پچھلے حصے میں تھا۔ اور اس کا دروازہ ایک دوسرے کمرے میں کھل رہا تھا۔ فاروق نے دیکھا دوسرا کمرہ کباڑ خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ گھر کی بے کار چیزیں اس میں ڈال دی جاتی تھیں۔ فاروق نے سوچا، تو کیا رشید خان اس کمرے میں ہے۔

اس کے علاوہ اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اب فاروق سمجھا۔ دراصل کباڑ خانے کا دروازہ باہر سے بند تھا اور اسے تالا لگا دیا گیا تھا۔ اس لئے اسے تالا کھولے بغیر مکان کے اندر سے اس میں داخل ہونا ناممکن تھا۔ شاید دن میں کسی ضرورت کے تحت کباڑ خانہ کھولا گیا ہوگا اور رشید خان نے موقع پا کر کھڑکی کی چٹخنی گرادی تاکہ رات کے وقت کوٹھی سے باہر نکل کر کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہو سکے۔

اب سوال یہ تھا کہ رشید خان اس گھر میں کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ یہ جاننے کے لئے فاروق نے کباڑ خانے میں جھانکا ہی تھا کہ اسے ایک کونے میں مدھم سی روشنی نظر آئی۔ رشید خان بھی پنسل ٹارچ استعمال کر رہا تھا۔

روشنی اس قدر مدھم تھی کہ فاروق کچھ نہ جان سکا۔ اچانک اس نے رشید خان کو اٹھتے دیکھا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور کھڑکی میں سے ہوتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب وہ ایک درخت کے پیچھے چھپا کھڑا تھا۔ جلد ہی رشید خان باہر نکلا اور کوٹھی کے دروازے میں داخل ہو گیا۔

فاروق اپنی جگہ سے نکلا۔ ایک بار پھر کھڑکی کے ذریعے اسٹور روم میں داخل ہوا اور اس میں سے ہوتا ہوا کباڑ خانے میں آیا۔ وہ کونے میں پہنچ گیا جہاں رشید خان بیٹھا تھا۔ اس کی جیب میں پنسل ٹارچ موجود تھی۔ اس کی مدد سے اس نے کونے کو بغور دیکھا، یہاں ٹوٹی پھوٹی بے شمار چیزیں پڑی تھیں۔ وہ ان بے شمار چیزوں میں کوئی کام کی چیز تلاش کرنے لگا۔

رفتہ رفتہ اس پر مایوسی طاری ہونے لگی، کیونکہ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کام کی خیال کی جا سکتی ہو۔

وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ تو پھر رشید خان یہاں کوئی آیا تھا۔ وہ کیا کر رہا تھا۔ اسے کون سی ضرورت یہاں لائی تھی۔ وہ سوچتا رہا اور چیزیں ادھر سے ادھر ہٹاتا رہا۔

اچانک ایک جگہ اُسے زمین کچھ نرم نظر آئی۔ اس نے جیب سے چاقو نکالا اور زمین کھودنے لگا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹی ہوگی کہ اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

اس چھوٹے سے گڑھے میں چابیوں کا ایک گچھا رکھا تھا اس گچھے میں بے شمار چابیاں تھیں۔

☆ ☆

فرزانہ کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ غلام رسول باورچی اس کی آنکھوں کے سامنے باورچی خانے میں داخل ہوا تھا، لیکن اب وہ باورچی خانے میں نہیں تھا۔ وہ گھبرا کر اندر داخل ہو گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اسے وہ راستہ نظر آ گیا جس سے باورچی باہر نکلا تھا۔ یہ کھڑکی تھی، اس کے پٹ کھلے تھے۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ کھڑکی باہر گلی میں کھلتی تھی۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ اس وقت باورچی بھلا کیا کرنے گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا، یہ مسئلہ محمود اور فاروق کے سامنے رکھا جائے اور پھر آپس کے مشورے سے جو فیصلہ ہو، اس پر عمل کیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ واپسی کے لئے مُڑی۔ کیونکہ اب اس کے پاس کوئی کام نہ تھا اور رات کے اس ۔۔۔ اس نے کھڑکی کے ذریعے باہر نکلنے کی ہمت نہ کی۔

وہ واپس مڑ رہی تھی کہ اسے ایک اور خیال آیا، کیوں نہ رشید خان کے کمرے کے سامنے چل کر فاروق سے پوچھا جائے کہ اسے کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ یہ سوچ کر اس کے قدم رشید خان کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے۔ جب وہ کمرے کے سامنے

پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں فاروق نہیں تھا، کیونکہ اگر وہ وہاں ہوتا تو اس تاریکی میں اُسے ضرور نظر آ گیا ہوتا۔

اس نے رشید خان کے دروازے پر نظر ڈالی تو وہ تھوڑا سا کھلا نظر آیا وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی، کمرے کے اندر جھانکا۔ اندر تاریکی تھی۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشنی کمرے میں ڈالی۔ کمرہ خالی تھا رشید خان کا بستر بھی خالی تھا۔

وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ اس نے سوچا، موقع اچھا ہے کیوں نہ جلدی جلدی اس کمرے کی تلاشی لے لے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کمرے کی چیزوں کا غور سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس کمرے میں زبردست بے ترتیبی نظر آئی۔ شاید رشید خان بہت بدسلیقہ آدمی تھا؛ تاہم اسے ایسی کوئی چیز نہ ملی جس کی موجودگی میں رشید خان پر شبہ کیا جا سکتا۔

وہ مایوس ہو گئی اور واپس مڑنے کو تھی کہ چونک کر اُٹھی۔ اس نے دراصل بے خیالی میں کپڑوں کے صندوق کا ڈھکنا اٹھا لیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی دو سیاہ دستانوں پر پڑی تھی۔ ان سیاہ دستانوں نے اس کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ وہ سوچنے لگی، ایک ڈرائیور کو ان دستانوں کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ دستانے بہت باریک نائیلون کے تھے۔ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ سردی سے بچاؤ کے لئے ہوں گے۔

اس نے صندوق کا ڈھکنا رکھ دیا اور عین اسی وقت ایک گرج دار آواز سنائی دی:

"خبردار، اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا، میرے ہاتھ میں پستول ہے اور اس کی نالی کا رُخ تمہاری طرف ہے، کون ہو تم؟"

فرزانہ نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش کھڑی رہی اس نے اپنا منہ بھی اس کی طرف نہ موڑا۔ ویسے وہ جان گئی تھی کہ یہ رشید خان ہے۔

"کون ہو تم؟" وہ آگے بڑھ آیا، دوسرے ہی لمحے کمرہ بجلی کی روشنی سے جگمگا

اٹھا۔

"اوہ! تم۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" رشید خان اسے دیکھ کر چونکا۔

"کمرے کی تلاشی لینے کے لئے آئی تھی۔" فرزانہ نے پرسکون ہو کر کہا۔

"مگر کیوں؟"

"ہمیں یہاں اسی لئے بلایا گیا ہے کہ اس چکر کا پتا لگایا جائے جو اس گھر میں چل رہا ہے۔"

"لیکن اس کا مجھ سے کیا تعلق؟" رشید خان نے جھنجلا کر کہا۔

"تعلق۔ وہی تو ہم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس چکر کا تعلق کس سے ہے۔ ویسے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

"میں۔ میں اس گھر کا چوکیدار بھی ہوں۔ باہر کا چکر لگانے گیا تھا، تا کہ معلوم ہو کہ کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔"

"ہوں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔"

فرزانہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ وہ اسے گھورتا رہ گیا۔ اچانک فرزانہ کا دل دھڑک اٹھا۔ رشید خان کے کمرے کے باہر فاروق موجود نہیں تھا۔ جبکہ رشید خان کے آجانے کے بعد اسے کمرے کے باہر موجود ہونا چاہیے تھا۔

☆ ☆

محمود وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ان دونوں میں سے ابھی کوئی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اس چیز کے بارے میں سوچنے لگا جو اس نے سیٹھ ارشاد کے کمرے میں دیکھی تھی کہ فرزانہ بدحواسی کے عالم میں اندر داخل ہوئی۔

"کیوں۔ خیر تو ہے۔" محمود چونکا۔

"فاروق کا کوئی پتا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"شاید رشید خان اپنے کمرے سے نکلا تھا، فاروق نے اس کا تعاقب کیا ہوگا لیکن رشید خان واپس آ چکا ہے اور فاروق اس کے پیچھے نہیں آیا۔" فرزانہ بتاتی چلی گئی۔

"لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ تم تو غلام رسول کی نگرانی کے لئے گئی تھیں۔"

"میں یہ سب تو بعد میں بتاؤں گی۔ میں کہتی ہوں، ہمیں پہلے فاروق کو تلاش کرنا چاہیے۔ خدا کرے وہ خیریت سے ہو۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن ہم اسے ڈھونڈیں کہاں۔"

"پہلے مکان کے اندر اور پھر باہر۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا چلو۔"

دونوں پورے مکان میں فاروق کو دیکھتے پھرے، لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ آخر تنگ آ کر وہ صدر دروازے کی طرف آئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے اسے کھول ڈالا اور باہر نکل آئے۔

"میں جانتا تھا، تم ضرور باہر نکل کر مجھے تلاش کرو گے۔" فاروق کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

"لو سنو۔ تم اس کے فکر میں دبلی ہو رہی تھیں۔ یہ صاحب یہاں مزے کر رہے ہیں۔" محمود جل کر بولا۔

"جلے بھنے کیوں جا رہے ہو۔ میں نے کچھ کام کیا ہے۔ کوئی تم دونوں کی طرح وقت ضائع نہیں کیا۔"

"بہت خوب، تو ہم دونوں نے وقت ضائع کیا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بالکل۔ چونکہ میں کامیاب رہا ہوں، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ تم ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے ہو گے۔" فاروق نے سینہ پھلا کر کہا۔

"تمہارا خیال غلط ہے۔ کم از کم اپنے بارے میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بھی کچھ کام کیا، البتہ فرزانہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" محمود نے کہا۔

"تمہیں ضرورت بھی نہیں ہے، میرے بارے میں کچھ کہنے کی۔ میں خود ہی کہنے کے لئے کافی ہوں۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"اچھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔" محمود معصومیت سے بولا۔

"جانتے تو ہو۔ اس کی زبان بہت لمبی ہے۔" فاروق نے لقمہ دیا۔

"اور ناک بھی تو۔" محمود چہکا۔

"تو کان ہی کیا کم ہیں۔ جتنے تیز اس کے کان ہیں کیا کسی کے ہوں گے۔ بم[1] کی ٹک ٹک کو بھول گئے۔"

"یاد ہے۔ میرا خیال ہے آج فرزانہ سے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکا، اس لئے خاموشی سے ہماری باتیں سن رہی ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"جی نہیں۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ میں خدا کے فضل و کرم سے کامیاب رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"میں نے بھی کچھ کام کیا ہے۔" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"حیرت ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم تینوں نے کچھ نہ کچھ کام کیا ہے، جب کہ ہم میں سے صرف ایک کی کامیابی کا امکان تھا۔" فاروق کی آنکھوں میں واقعی حیرت تھی۔

"تو کیا اس گھر میں بھی مجرم ہیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کیا یہ مجرموں کا گھر ہے۔" فاروق بولا۔

---

۱ پارسل میں بم پڑھیے

"اور کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں جان بوجھ کر اس گھر میں پھانس لیا گیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"پہلے ہمیں ایک دوسرے کی کہانی سُن لینی چاہیے، پھر ہی کسی فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں۔" فاروق نے رائے دی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

"تو کیا ہمیں کھڑے رہ کر کہانی سُنانے کا ارادہ ہے۔" فرزانہ کے کہنے پر جیسے وہ ہوش میں آ گئے۔ تینوں گھر کے باہر دروازے پر کھڑے تھے۔

"ٹھیک ہے، ہم اپنے کمرے میں چل کر بات کریں گے۔"

"تینوں اندر داخل ہوئے۔ عین اسی وقت انہیں ایک پُراسرار آواز سنائی دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ چونک اٹھے اندر کسی کمرے کے دروازے پر زور زور سے دستک دی جا رہی تھی۔

"ٹھک۔ ٹھک۔ ٹھک۔"

☆☆☆

محمود کی چوری

تینوں اُچھل پڑے۔ وہ اس آواز کو تو بھول ہی گئے تھے۔ دراصل وہ اس دستک کے راز کو معلوم کرنے ہی یہاں آئے تھے۔ لیکن یہاں پے در پے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ سرے سے بھول گئے۔ اب جو ٹھک ٹھک کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک اٹھے۔

تینوں فوراً آواز کی طرف لپکے لیکن اتنی دیر میں آواز بند ہو چکی تھی۔ وہ رک گئے۔

"اب کیا کریں۔" محمود بولا۔

"سیٹھ ارشاد کے دروازے پر چلو" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔ یہ ٹھک ٹھک ضرور ان کے دروازے پر ہوئی ہوگی۔" فاروق نے کہا۔

"سیٹھ ارشاد کے دروازے پر آئے تو انہوں نے دیکھا۔ وہ دروازہ کھولے کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ راہداری میں زیرو کا بلب روشن تھا۔

"کیا بات ہے انکل؟"

"بات۔۔۔ بات کیا ہوتی، پھر وہی منحوس ٹھک ٹھک ہوئی تھی۔ ابھی ابھی تو دوبارہ آنکھ لگی تھی کہ۔ دروازہ کھولا تو کچھ بھی نہ تھا۔" انہوں نے بتایا۔

"لیکن آج آپ کے دروازے پر کوئی جراب بھی نہیں لٹک رہی ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں، یہ بات بھی ہے۔"

"خیر ہم دیکھ لیں گے، ہم سے غلطی ہو گئی۔" فاروق نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا غلطی ہو گئی تم سے۔" سیٹھ ارشاد نے حیران ہو کر کہا۔

"پھر بتائیں گے۔ آپ آرام کریں۔ اور بے فکر ہو کر سوئیں۔ اب آپ کے دروازے پر ٹھک ٹھک نہیں ہو گی۔"

"اچھا۔" انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

"تینوں وہاں سے ہٹ کر برآمدے کے دوسرے سرے پر آ گئے۔

"ہاں، یہ کیا کہہ رہے تھے تم۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہم سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ ہم میں سے ایک کو سیٹھ صاحب کے دروازے کی نگرانی بھی کرنی چاہیے تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر ہم نے ایسا کیا ہوتا تو اس وقت تک مجرم کو پکڑ بھی چکے ہوتے۔" محمود بولا، پھر ایک لمحے رک کر بولا: "خیر کوئی بات نہیں۔ وہ بھی بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"بالکل، بلکہ میں تو اسے پہچان بھی چکا ہوں۔"

"کیا کہا۔ تم پہچان چکے ہو۔" فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، کون۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میرا خیال تھا کہ میں نے مجرم کو پہچان لیا ہے۔"

"کمال ہے۔ دونوں بہت تیزی سے ترقی کر رہے ہو۔" محمود نے کہا۔

"کیوں نہ ہم برآمدے میں ہی اپنی کہانی سنا ڈالیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ

اگر کوئی سیٹھ صاحب کے دروازے پر دوبارہ ٹھک ٹھک کرنے آیا تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

"ہمارے یہاں کھڑے ہوتے ہوئے تو وہ ضرور آئے گا۔ اتنا ہی بے وقوف ہے نا۔"

"تو پھر ہم چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

تینوں نے ایک تاریک سا کونا تلاش کیا۔ یہاں سے دروازہ بھی صاف نظر آ رہا تھا اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"امی ہماری خوب خبر لیں گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیوں۔ کیا آج کل وہ کسی اخبار کے لئے کام کر رہی ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہشت۔ میرا مطلب تھا، اس طرح بیٹھنے سے ہمارے کپڑے گندے ہو جائیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اب اس وقت یہاں کرسیاں کہاں سے لاتے۔" محمود بولا۔

"اچھا اب اپنی کہانی شروع کرو۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا تینوں ایک ساتھ شروع کریں۔" فاروق نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"نہیں اب سے پہلے تم سناؤ۔"

"میں رشید خان کے کمرے کی نگرانی کر رہا تھا وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا اور صدر دروازہ کھول کر کوٹھی سے باہر نکل گیا۔"

"کیا کہا۔ باہر نکل گیا۔" دونوں کے منہ سے نکل گیا۔

"میں اردو میں بات کر رہا ہوں، پشتو میں نہیں۔" فاروق نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں پشتو نہیں آتی۔" محمود نے بھی منہ بنایا۔

"وہ پچھلے حصے کی طرف گیا۔ وہاں ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ اس نے کھڑکی کھولی اور اس کے ذریعے سے اندر کود گیا۔"

"کیا مطلب۔ کیا وہ کھڑکی اندر سے بند نہیں تھی۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اگر اندر سے بند ہوتی تو وہ اندر کیسے کود سکتا تھا۔ عجیب احمق ہو، اتنی بات بھی نہیں سمجھتیں۔"

"اچھا عقل مند صاحب آگے کہو۔"

"میں بھی تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں کود گیا، لیکن وہ وہاں نہیں تھا؛ البتہ اس کمرے کا ایک دروازہ کمرے میں کھلتا ہے، وہ اس کمرے میں موجود تھا۔ یہ کمرہ کباڑ خانے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ وہ وہاں موجود تھا اور نہ جانے کیا کر رہا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے اس کمرے میں جا کر دیکھا بہت تلاش کرنے کے بعد ایک کونے میں، جانتے ہو، مجھے کیا چیز نظر آئی؟"

"کوئی اللہ میاں کی بھینس نظر آئی ہوگی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہشت۔ وہاں چابیوں کا ایک گچھا چھپا ہوا تھا۔"

"کیا؟" ان دونوں کے منہ سے نکلا، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سارا چکر رشید خان چلا رہا ہے۔" محمود نے کہا۔

"میری کہانی سنے بغیر کوئی نتیجہ نکالنا زیادتی ہوگی۔" فرزانہ بولی۔

"چلو تم بھی سناؤ۔"

"غلام رسول باورچی بھی اپنے کمرے سے نکلا تھا اور باورچی خانے میں داخل ہوا تھا، لیکن جب میں نے باورچی خانے میں جھانک کر دیکھا تو وہاں وہ موجود نہیں

تھا۔"

"وہ وہاں نہیں تھا تو کیا دھواں بن کر کسی دیوار سے چپک گیا تھا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"باورچی خانے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور وہ غالباً اس کھڑکی سے باورچی خانے سے باہر نکل گیا تھا۔"

"کمال ہے، آخر اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غلام رسول اور باورچی بھی رشید خان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔"

"یہ کہا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی۔ ہو سکتا ہے، غلام رسول کسی اور چکر میں ہو۔" فرزانہ بولی۔

"اور تم تو رہ ہی گئے۔ تمہاری کہانی کیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"میں نے کئی کمروں کی تلاشی لی مگر کام کی ایک چیز مجھے سیٹھ ارشاد کے کمرے میں نظر آئی، لیکن ابھی میں اسے کام کی چیز نہیں کہہ سکتا۔"

"کام کی چیز بھی کہہ رہے ہو اور یہ بھی کہہ رہے ہو کہ وہ کام کی چیز نہیں ہے۔"

"ہاں، اسے چیک کرنا پڑے گا۔"

"آخر وہ چیز کیا ہے؟"

"یہ ٹیپ ریکارڈ۔" محمود نے ایک دم کہا۔

"کیا؟" دونوں کے منہ سے نکلا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"ہو سکتا ہے، ٹھک ٹھک کی وہ آوازیں ٹیپ کی ہوئی ہوں اور رات کو ٹیپ ریکارڈ چلا دیا جاتا ہو۔" محمود نے بتایا۔

"تت۔۔۔ تمہارا مطلب ہے، خود سیٹھ ارشاد ایسا کرتا ہے۔" محمود ہکلایا۔

"اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"یاالٰہی خیر۔اس گھر میں تو سبھی مجرم نظر آرہے ہیں۔"

"میں کل وہ ٹیپ ریکارڈ سننا چاہتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے۔ہم موقع پا کر وہ وہاں سے نکال لائیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

"اسی وقت انہیں دھم کی زوردار آواز سنائی دی۔وہ چونک اُٹھے۔"

☆☆

ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ اس آواز کا پتا نہ چلا سکے۔انہوں نے غلام رسول باورچی کے کمرے کے دروازے پر جا کر دیکھا، وہ واپس آچکا تھا۔رشید خان بھی اپنے کمرے میں موجود تھا۔باقی سب اپنے کمروں میں تھے پھر آخر دھم کی آواز کیوں پیدا ہوئی۔

دن نکلنے تک وہ کچھ بھی نہ جان سکے۔آخر ناشتا کر کے اسکول چلے گئے۔اسکول سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ سیٹھ ارشاد ابھی واپس نہیں آئے تھے اور خاور اور روحی اپنے کمرے میں تھے۔موقع اچھا تھا۔فاروق تیزی سے سیٹھ ارشاد صاحب کے کمرے میں گھس گیا اور ٹیپ ریکارڈ اٹھا لایا۔اب تینوں نے اپنے کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں اور بیٹھ کر ٹیپ ریکارڈ سننے لگے۔انہیں بے شمار اوٹ پٹانگ گانے اور سیاسی لیڈروں کی تقریریں سننی پڑیں لیکن تمام ٹیپ سننے کے بعد بھی کسی ٹیپ سے ٹھک ٹھک کی آواز سنائی نہیں دی۔

"تو ہمارا خیال غلط تھا۔" فاروق نے مایوس ہو کر کہا۔

"ہاں! اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ہم اس چکر کا پتا ضرور لگائیں گے، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔" محمود نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔تینوں گھبرا گئے۔ٹیپ ریکارڈ کمرے میں موجود تھا اور کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔محمود اور فرزانہ نے جلدی جلدی اسے اٹھایا اور الماری میں رکھنے لگے۔فاروق دروازے کی طرف بڑھا۔جب محمود اور فرزانہ الماری کا دروازہ بند کر چکے تو اس نے دروازہ کھول دیا۔دروازے میں غلام رسول باورچی موجود تھا۔

"آپ لوگوں کا فون ہے۔" اس نے کہا۔

"ارے۔ضرور ابا جان نے فون کیا ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

تینوں ڈرائنگ روم کی طرف لپکے۔فون پر انسپکٹر جمشید ہی تھے۔محمود ان سے بات کرنے لگا:

"کہو بھئی کیا حال ہے، کہاں تک پہنچے۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

محمود نے پوری تفصیل سے انہیں واقعات سنائے۔

"ہوں۔حالات پُر اسرار ہیں۔"

"جی ہاں، بہت۔"

"میری مدد کی ضرورت تو نہیں۔"

"جی۔جی نہیں۔ہم سنبھال لیں گے۔"

"رشید خان پر کڑی نظر رکھو۔"

"جی بہتر۔"

اس کے بعد فاروق اور فرزانہ نے بھی ان سے بات کی، پھر یہ سلسلہ ختم ہوا۔تینوں اپنے کمرے میں واپس آئے۔

"اب ہمیں یہ ٹیپ ریکارڈ واپس رکھ آنا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔"

"جاؤ فاروق رکھ آؤ جا کر۔"

"میں کیوں جاؤں۔ میں تو لے کر آیا تھا۔" فاروق نے لڑاکا بچوں کی نقل اتاری۔

"چلو فرزانہ، تم رکھ آؤ۔"

"وزنی بہت ہے۔ مجھ سے نہیں اٹھے گا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"توبہ ہے تم دونوں سے۔" تنگ آ کر محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے الماری میں سے ٹیپ ریکارڈ نکالا اور کمرے سے نکل آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔

میدان صاف پا کر وہ سیدھا سیٹھ ارشاد کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ لیکن جوں کا توں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

کمرے کے درمیان میں خاور اور روحی کھڑے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

گمشدگی

"مجھے افسوس ہے، ہم ذرا یہ ٹیپ ریکارڈ لے گئے تھے۔ بے کار بیٹھے بور ہو رہے تھے نا، ہم نے سوچا، ٹیپ ریکارڈ ہی سن لیں۔" محمود نے بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے ٹیپ ریکارڈ تپائی پر رکھ دیا۔

"اوہ کوئی بات نہیں۔ یہی تو ہم سوچ کر حیران ہو رہے تھے کہ آخر ٹیپ ریکارڈ کہاں چلا گیا، ہم دونوں اسی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔" خاور نے کہا۔

"چلو مسئلہ حل ہو گیا، اور سنایئے صاحب۔ آپ اس جرابوں والے چکر کا پتا لگا سکے ہیں یا نہیں۔" روحی نے کہا۔

"جی۔ ابھی تو کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے، لیکن خیال ہے کہ جلد ہی اس راز سے پردہ اٹھا دیں گے۔"

"لیکن میں کہتا ہوں، یہ سرے سے کوئی چکر ہے ہی نہیں۔" خاور نے کہا۔

"بالکل، ضرور ابا جان کے کسی دوست نے شرارت کی ہے۔" روحی نے بھی خاور کی تائید کی۔

"لیکن وہ دوست رات کو گھر میں داخل کیسے ہو جاتا ہے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"یہ بات تو خیر ہماری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی

شخص ابا جان کا دوست ہے تو ضرور گھر کے ملازم اسے اچھی طرح جانتے ہوں گے اور اس نے اس شرارت کے لئے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ لالچ بھی دیا ہو۔" خاور نے جواب دیا۔

"بہت خوب! آپ کا جواب بہت معقول ہے، واقعی اس خیال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"آپ کہتے ہیں، نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اور میں کہتا ہوں، سو فیصد یہی بات ہے۔" خاور نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" محمود بولا۔

"بہر حال ہم دونوں تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ اس چکر کا جلد از جلد پتا لگا لیں، تا کہ ابا جان کی پریشانی دور ہو جائے۔"

"اچھا! میں چلتا ہوں۔"

محمود یہ کہہ کر ٹیپ ریکارڈر پر نظر ڈالتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ فاروق اور فرزانہ بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔

"بہت دیر لگا دی۔"

"چوری پکڑی گئی تھی۔ وہاں خاور اور روحی موجود تھے۔"

"ارے۔" دونوں کے منہ سے نکلا۔

"میں سوچ رہا ہوں، کہیں ہم الو تو نہیں بنائے جا رہے ہیں۔" محمود نے اچانک کہا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"مطلب یہ کہ ہمیں انسان سے الو بنایا جا رہا ہے، لیکن یہ ایک مشکل کام ہے۔" فاروق نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور دنیا میں ایسی مثال نہیں ملتی۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔"

"اچھا۔ پہلے کیوں نہیں بتایا۔" فاروق بول اٹھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بات۔ بات صرف یہ ہے کہ ہم تینوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے: ورنہ ہم چوٹ کھا جائیں گے۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"یہ کہ آج رات ہم پھر جاگ کر گزاریں گے اور اس مرتبہ رشید خان کی نگرانی بہت سختی سے کریں گے۔"

"لیکن ہم تو پہلے ہی رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔"

"اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ ہم اس وقت سو جاتے ہیں۔"

"بہت خوب۔"

تینوں سونے کے لئے لیٹ گئے۔ شام کے وقت فاروق اور فرزانہ کی آنکھ کھلی انہوں نے دیکھا، محمود اپنے بستر سے غائب تھا۔

☆☆

"ارے! یہ محمود کہاں چلا گیا۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"سیر کرنے گیا ہوگا۔" فاروق بولا۔

"نہیں کوئی اور ہی بات ہے۔"

"چلو پھر تم بتا دو کہ وہ کہاں گیا ہے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"مجھے کیا معلوم۔ وہ آ کر بتائے گا۔"

"تو پھر میرا دماغ نہ چاٹو۔"

"تمہارا دماغ ہے کوئی شہد نہیں، جسے میں چاٹوں گی۔"

"کان نہ کھاؤ۔" فاروق مسکرایا۔

"تم تو مجھے آدم خور بنانے پر تلے ہو۔ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے۔"

"ہاں! تم نے اسے چاٹ چاٹ کر خراب کر دیا ہے۔"

"توبہ ہے تم سے۔ ہر بات کا جواب گھڑا گھڑایا تیار ملتا ہے۔" فرزانہ نے تنگ آ کر کہا۔

"اگر تمہیں بغیر گڑھے جواب سننے کی خواہش تھی تو بتا دیا ہوتا۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بس اب خاموش رہو، اب تم میرے کان کھا رہے ہو۔"

"چلو حساب برابر ہو گیا۔"

"برابر کہاں ہو گیا۔ ابھی تو تم میرا دماغ چاٹو گے۔" فرزانہ جل کے بولی۔

"انگارے کیوں چبا رہی ہو؟" فاروق نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اب تمہیں تو چبانے سے رہی۔" فرزانہ بھلا کہاں رکنے والی تھی۔

"کیوں۔ ہاضمہ خراب ہو جانے کا خطرہ ہے۔"

"بالکل، تم بھلا ہضم ہونے والی چیز ہو۔"

"آج شاید لڑنے کے موڈ میں ہو۔" فاروق کو ہنسی آگئی۔

"ہاں!! اگر تم نے زبان بند نہ رکھی تو لڑنا ہی پڑے گا۔" فرزانہ جھنجلا اٹھی۔

"پرائے گھر میں لڑتی کیا اچھی لگو گی۔ خاور اور روحی نے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے، سوچیں گے۔ یہ ہیں وہ بچے جن کے متعلق اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔"

"اوہ۔ واقعی۔" فرزانہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

"بس۔۔۔ ڈر گئیں۔"

"اور کیا کروں۔ میرے متعلق کوئی اس قسم کی بات سوچے، یہ تو مر جانے کا مقام

ہو گا۔"

"تو مر جانا۔"

"مرتی ہے میری جوتی۔"

"اچھا۔ تو پھر اس کے کفن دفن کا بندوبست کرو۔"

"اُف توبہ! تم باز نہیں آؤ گے۔ میں ہی کمرے سے باہر چلی جاتی ہوں۔"

"میں تمہارے پیچھے کمرے سے باہر چلا جاؤں گا۔"

"خدا کے لئے بس کرو اور یہ سوچو کہ محمود کہاں گیا ہے۔"

"اچھا!" فاروق نے سعادت مندی سے کہا اور ہتھیلی پر تھوڑی رکھ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"سوچ رہا ہوں تمہی نے تو کہا ہے سوچو۔"

"دھت تیرے کی۔ میں کہہ رہی ہوں۔ کہیں اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو۔"

"گڑبڑ۔ کیا مطلب۔" فاروق چونکا۔

"وہ ہمیں بتائے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ فرزانہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

"اوہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔"

"آؤ، اسے چل کر ڈھونڈیں۔"

وہ خوفزدہ انداز میں کمرے سے نکل آئے۔ انہوں نے سارا گھر چھان مارا لیکن محمود کا کہیں پتا نہ چلا۔

☆☆

سیٹھ ارشاد دفتر سے واپس آ چکے تھے۔ وہ ان کے کمرے میں پہنچے تو انہوں نے پوچھا:

"کیوں بھئی۔ کیا بات ہے۔ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

"جی۔ محمود گھر سے غائب ہے۔"

"غائب ہے۔ کیا مطلب؟"

"ہم رات بھر جاگتے رہے تھے، اس لئے دوپہر کو سو گئے۔ اُٹھے تو محمود کمرے سے غائب تھا۔"

"اوہ۔ کیا تم سب جگہ دیکھ چکے ہو۔" سیٹھ ارشاد نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں۔ سب کمرے دیکھ ڈالے ہیں؛ البتہ آپ کا اسٹور روم کباڑ خانہ نہیں دیکھا۔"

"لیکن وہ تو بند ہیں۔ ان پر تو تالا لگا ہوا ہے۔"

"لیکن ہم انہیں اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

سیٹھ ارشاد نے چابیاں لیں اور ان کے ساتھ چل پڑے۔ انہوں نے کباڑ خانے کا دروازہ کھول ڈالا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس میں فاروق نے رات کے وقت رشید خان کو دیکھا تھا اور بعد میں چابیوں کا گچھا بھی نظر آیا تھا۔

اس کمرے میں لائٹ لگی ہوئی تھی۔ سیٹھ صاحب نے بلب آن کر دیا۔ کمرہ روشن ہو گیا لیکن یہاں محمود نہیں تھا۔ اب وہ اسٹور روم کی طرف مڑے اور درمیانی کمرے سے اس میں داخل ہو گئے لیکن یہاں بھی محمود نہیں تھا، البتہ کھڑکی اندر سے کھلی ہوئی تھی۔

"ارے! یہ کھڑکی کیوں کھلی ہے۔" سیٹھ ارشاد نے چونک کر کہا۔

"آپ کے گھر میں جو چکر چل رہا ہے، اس کے لئے ان دو کمروں کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔" فاروق نے اچانک کہا۔ سیٹھ ارشاد اسے اس طرح دیکھنے لگے جیسے

اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"آئیے میرے ساتھ۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ ابھی اگرچہ ہم آپ کو بتانا نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ معاملہ محمود کی گمشدگی کا ہے، اس لئے اب ہمیں جو کچھ کرنا ہے، فوراً کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر فاروق کباڑ خانے میں آیا۔ دونوں اس کے پیچھے تھے۔ فاروق اس کونے میں آ کھڑا ہوا جس میں اس نے چابیوں کا گچھا دیکھا تھا۔ وہ جھکا اور چیزوں کو ہٹانے لگا تاکہ گچھا اٹھا کر دکھا سکے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گیا۔

چابیوں کا گچھا وہاں نہیں تھا۔

☆☆☆

رشید خان

اس کا منہ حیرت زدہ انداز میں کھلا کا کھلا رہ گیا۔ چابیوں کے گچھے کا اس جگہ نہ ہونا خطرے کی علامت تھا۔ سیٹھ ارشاد اسے بُری طرح گھور رہے تھے۔ فرزانہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ گچھا غائب ہے۔

"کیا بات ہے، تم تو مجھے کچھ بتا رہے تھے۔" آخر سیٹھ ارشاد بولے۔

"ہاں! لیکن بتانے سے پہلے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس وقت رشید خان کہاں ہے؟"

"اپنے کوارٹر میں ہوگا اور کہاں ہوتا۔"

"کیا آپ ابھی اس کے ساتھ آئے ہیں۔"

"ہاں۔ بالکل۔"

"تو پھر خدا کے لئے جلدی کیجئے۔ اپنے کمرے میں چلئے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

آخر بات کیا ہے۔ تم تو بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

"ہاں! اگر مجرم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو ہم ابا جان کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اُف مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"آپ کو سب کچھ بتا دیا جائے گا لیکن پہلے آپ اپنے کمرے میں چلئے۔"

"اچھا آؤ۔"

تینوں وہاں سے نکل کر رہائشی حصے میں آئے۔ سیٹھ ارشاد کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ تینوں اندر داخل ہوئے۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ فاروق کی نظریں تجوری پر جم گئیں۔

"آپ کے پاس اس تجوری کی چابی ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہاں کیوں۔ بھلا چابی کیوں نہ ہوگی۔" وہ بولے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"جلدی سے اسے کھول کر دیکھیں۔ تمام چیزیں موجود ہیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"انکل۔ دیر نہ کریں۔ کام خراب ہو سکتا ہے۔"

"اچھا۔"

سیٹھ ارشاد نے جیب سے تجوری کی چابی نکالی اور اسے کھول ڈالا۔ فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ تجوری نوٹوں کی گڈیوں سے بھری پڑی تھی۔ نہ صرف نوٹوں سے بلکہ اس کے ایک کونے میں ہیرے جواہرات بھی جگمگا رہے تھے۔

"اُف خدا، آپ اتنی دولت گھر میں رکھتے ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"بنک میں بھی رکھتا ہوں، لیکن چونکہ مزدوروں کو روزانہ مزدوری ادا کرتا ہوں اس لئے گھر میں بھی رکھتا ہوں، لیکن تم فکر نہ کرو۔ میری تجوری بہت محفوظ ہے۔ ہاں! تم نے بتایا نہیں، بات کیا ہے، تم نے تجوری کو کھلوا کر کیوں دیکھا ہے۔"

"اس میں سے کوئی چیز کم تو نہیں؟" فاروق نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کیا۔

"نہیں، ہر چیز موجود ہے۔"

"تب پھر بہت محتاط رہیں یا اس تمام نقدی کو کچھ دنوں کے لئے بنک میں منتقل کر دیں۔"

"کیوں۔ کیا کوئی خطرہ ہے۔"

"ہاں! بہت بڑا خطرہ ہے۔ بلکہ خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس تجوری کو کھولنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ کوئی خطرہ ہے۔"

"کیا آپ بھول گئے کہ ہم یہاں کس لئے آئے ہیں۔"

"جرابوں والے چکر کا پتا چلانے۔ کیا اس چکر کا تجوری سے بھی تعلق ہے؟"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

"خیر، تم فکر نہ کرو۔ میں رات کو اسی کمرے میں سوتا ہوں۔ اور دروازہ اندر سے بند کر کے سوتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ہم بھی ہوشیار ہیں، اب آپ آرام کریں۔" فاروق نے کہا۔ "ہمیں تو محمود کو بھی ڈھونڈنا ہے۔

دونوں ان کے کمرے سے نکل آئے۔ عین اسی وقت صدر دروازہ کھلا اور محمود اندر داخل ہوا۔ دونوں اسے دیکھ کر خوش ہو گئے پھر چونک اُٹھے۔

محمود کا چہرہ جوش کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔

☆ ☆

"معلوم ہوتا ہے، کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"تمہیں معلوم ہے، چھوٹے تیر تو میں مارا نہیں کرتا۔"

"جی ہاں، آئے بڑے تیر مار خان۔" فاروق مسکرایا۔

"ذرا ہم بھی تو سنیں، کیا کر آئے ہو۔ گھر سے باہر کیوں گئے تھے۔"

"میں زیادہ دُور نہیں گیا تھا۔ پائیں باغ میں تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ پائیں باغ میں کون سے کمرے کی کھڑکی کھلتی ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"جانتا ہوں، اسٹور روم کی کھلتی ہے۔"

"ایک اور کمرے کی کھڑکی بھی پائیں باغ میں کھلتی ہے۔ اور وہ ہے باورچی خانہ۔"

"ارے۔" دونوں کے منہ سے نکلا۔

"اور غلام رسول باورچی، باورچی خانے کی کھڑکی سے کود کر باغ میں ہی آ گیا تھا۔ کیوں فرزانہ۔"

"بالکل۔ یہی بات ہے۔"

"بس میں یہی معلوم کرنے گیا تھا کہ وہ رات کے وقت وہاں جا کر کیا کرتا ہے۔"

"تو کیا تم نے معلوم کر لیا۔"

"ہاں۔ نہ صرف معلوم کرنے گیا تھا کہ وہ رات کے وقت وہاں جا کر کیا کرتا ہے۔"

"تو کیا تم نے معلوم کر لیا۔"

"ہاں۔ نہ صرف معلوم کر لیا، بلکہ پورا کیس حل کر چکا ہوں۔"

"کمال ہے۔ گویا تم ہم دونوں سے بازی لے گئے۔"

"شاید۔ ویسے ابھی بہت سی باتیں میرے ذہن میں صاف نہیں ہوئیں۔"

"کیا مجرم غلام رسول باورچی ہے۔"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" محمود نے گول مول جواب دیا۔

''رشید خان کے متعلق کیا خیال ہے۔'' فاروق نے پوچھا۔

''کیوں۔اسے کیا ہوا؟''

''چابیوں کا گچھا کباڑ خانے سے گم ہے۔'' فرزانہ نے ایک دم کہا۔

''کیا۔'' محمود دھک سے رہ گیا۔

''ہاں! لیکن فکر نہ کرو۔رشید خان اپنے کوارٹر میں موجود ہے اور سیٹھ صاحب کی تجوری ہر طرح محفوظ ہے۔''

''ہوں۔حالات تیزی سے پیش آرہے ہیں۔آج رات ہمیں پھر جاگنا ہوگا۔''

''آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو۔''

''پائیں باغ میں جا کر خود کیوں نہیں معلوم کر لیتے۔''

''تم ہمیں للکار رہے ہو۔اب ہم یہی کریں گے۔کیا خیال ہے فرزانہ؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔ہم ابھی پائیں باغ میں جائیں گے اور وہ بات معلوم کر کے رہیں گے۔''

''ضرور۔لیکن اس سے پہلے رشید خان کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہے۔دوسرے یہ کہ آج رات ہمیں سیٹھ صاحب کے دروازے پر پہرہ دینا ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے، آؤ فرزانہ باغ میں چلتے ہیں۔''

محمود انہیں مسکرا کر دیکھتا رہا۔دونوں صدر دروازے سے نکل کر باغ میں داخل ہو گئے۔انہوں نے پورا باغ چھان مارا، لیکن ایسی کوئی چیز نہ مل سکی، جس سے اس کیس میں انہیں کوئی مدد مل سکتی۔

دونوں مایوس ہو کر واپس پلٹے۔اچانک فرزانہ کو ٹھوکر لگی۔وہ گرتے گرتے بچی۔زمین پر کسی جڑ کا ابھار موجود تھا۔فرزانہ اس سے ٹکرائی تھی۔دوسرے ہی لمحے اس کی

نظریں اس چیز پر پڑیں۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

فاروق بھی اسی سمت میں دیکھ رہا تھا، لیکن کچھ سمجھ نہ آسکا، پھر دفعتہً اس پر بھی پوری حقیقت روشن ہو گئی۔جوش سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

☆ ☆

رات حد درجے تاریک تھی۔آسمان سیاہ بادل سے ڈھکا ہوا تھا۔ایسے میں برآمدے میں زیرو کا بلب روشن تھا۔برآمدہ دُور دُور تک سنسان تھا۔بغور دیکھنے پر بھی کوئی ان تینوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔انہوں نے چھپنے کے لئے ایسی ہی جگہ تجویز کی تھی۔وہ اوپر چھت پر اوندھے لیٹے ہوئے تھے اور۔بلب کے عین اوپر تھے۔اس جگہ مکمل تاریکی تھی۔سیٹھ ارشاد کے کمرے کے ساتھ ہی زینہ موجود تھا اور وہ چند سیکنڈ کے اندر اتر کر نیچے آسکتے تھے۔

''انہیں یقین تھا۔آج کی رات کچھ نہ کچھ ضرور ہو کر رہے گا۔

''آخر ہم کب تک یونہی لیٹے رہیں گے۔'' فاروق بڑبڑایا۔

''جب تک کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آج ضرور آئے گا۔'' فرزانہ نے سوال کیا۔

''چابیوں کا گچھا گم ہے اور پھر تم یہ سوال کر رہی ہو۔آخر گچھا وہاں سے اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی، جب کہ اس سے پہلے وہ وہاں موجود تھا۔''

''محمود کا خیال ٹھیک ہے فرزانہ۔''

''لیکن ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ ایک جاگتا رہے اور دو ہم میں سے سو جائیں۔آخر تینوں کو جاگتے رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''معلوم ہوا ہے چھت پر لیٹنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ذرا ان غریبوں کے متعلق بھی تو سوچو جو فٹ پاتھوں پر زندگی گزارتے ہیں۔کیا وہ انسان نہیں۔'' محمود نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیں ہر طرح زندگی گزارنے کی مشق کرنی چاہیے۔"

"اگر تم دونوں کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ میں تم سے پیچھے نہیں رہوں گی۔"

پیچھے رہنے کا تو اس وقت سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ہم برابر برابر لیٹے ہوئے ہیں۔" فاروق شریر انداز میں مسکرایا۔

"شروع ہو گیا مذاق۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"ہر حال میں شروع رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"تو تم مذاق کے سہارے کامیاب ہوتے۔"

اور کیا۔ یہ مزاحیہ جملے ہمیں کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچا دیتے ہیں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"چپ رہو یا! کہیں تمہارے جملے ہمیں موت کے منہ میں نہ پہنچا دیں۔"

"میرے جملے کوئی روح قبض کرنے والی مشین تو نہیں ہیں۔" فاروق مسکرایا۔
فرزانہ کی ہنسی نکل گئی لیکن عین اسی وقت اس کی ہنسی کا گلا گھٹ گیا۔ تینوں چونک کر خاموش ہو گئے۔

ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ وہ وقت آ گیا تھا جس کا انہیں انتظار تھا۔ انہوں نے دیکھا، آنے والے نے دروازے کو دھکیل کر دیکھا تھا۔ دروازہ نہ کھلا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ جب باہر آیا تو اس میں چابیوں کا وہی گچھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے تالے کے سوراخ میں ایک چابی لگائی۔ کلک کی ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ تالا کھل گیا تھا۔ اس نے دروازے کو تھوڑا سا کھولا، اندر جھانکا اور پھر وہ اندر داخل ہو گیا۔

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کئے اور پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دبے پاؤں زینہ اتر کر وہ دروازے آ کر رک گئے۔

دروازہ ابھی تک تھوڑا سا کھلا تھا۔ انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا۔

وہ شخص تجوری کے سامنے کھڑا تھا اور اس میں ایک چابی لگا رہا تھا۔ ان کی حیرت کا اس وقت کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہوں نے تجوری کو کھلتے دیکھا۔ سیٹھ ارشاد اس تجوری کو کس قدر محفوظ بتا رہے تھے، اور اب وہ تجوری کے پاس ہی گہری نیند کے مزے لے رہے تھے، جب کہ چور تجوری کھولے اندر کی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا۔ اتنی ساری دولت کس طرح سمیٹے۔ پھر انہوں نے دیکھا، اس اپنے کپڑوں کے نیچے سے ایک پلاسٹک کا تھیلا نکالا اور جلدی جلدی نوٹوں کی گڈیاں اس میں بھرنے لگا۔ جب تھیلا بھر گیا تو وہ باقی گڈیاں اپنی جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔ لیکن تجوری تو اب بھی خالی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر لپٹا ہوا کپڑا اتار ڈالا اور اسے زمین پر بچھا کر گڈیاں اس پر ڈھیر کرنے لگا۔ گڈیوں کے بعد جواہرات کی باری آئی۔ تجوری خالی ہو گئی تو اس نے چادر سمیٹ کر گٹھڑی کی شکل میں باندھ لی۔ اسے اپنے کندھے پر رکھا، تھیلا ایک ہاتھ میں اٹھایا اور سیٹھ ارشاد کی طرف دیکھتے ہوئے مڑا۔

انہوں نے دیکھا، وہ رشید خان ڈرائیور تھا۔

☆☆☆

دو دو ہاتھ

رشید خان نے انہیں اور انہوں نے رشید خان کو دیکھا۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر ساکت کھڑے رہ گئے۔ پھر کئی سیکنڈ گزر گئے۔ ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی لفظ تک نہ نکلا۔ سیٹھ ارشاد ابھی تک سو رہے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ ان کے کمرے میں کیا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔ آخر محمود کے لب ہلے۔

''بہت خوب۔ تم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔''

''اور اب بہتری اسی میں ہے کہ نوٹوں کا تھیلا فرش پر رکھ دو، جیبوں سے بھی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر فرش پر ڈھیر کر دو۔ اس گٹھڑی کو بھی نیچے رکھ دو۔ پھر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔''

''میں دیکھ رہا ہوں، تم تینوں خالی ہاتھ ہو اور پھر تم بچے ہو، تم بھلا مجھے کیسے روک سکتے ہو۔ میں اپنے زمانے کا مانا ہوا چور ہوں۔ لوگ مجھے شہباز چور کے نام سے جانتے ہیں۔ میرا نام سن کر ہی تھر تھرا اٹھتے ہیں۔''

''شہباز چور۔'' تینوں کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا، وہ انسپکٹر جمشید سے اس چور کا تذکرہ کئی بار سن چکے تھے۔

''ہاں۔ میری دائیں جیب میں ایک پستول ہے اور بائیں جیب میں چاقو۔ اگر تم نے راستہ نہ چھوڑا تو میں ان میں سے کوئی ایک چیز نکالنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

''تم نے اپنا نام ہمیں بتا دیا۔ لیکن تم شاید ہمارے نام نہیں جانتے۔'' فاروق نے اس پر رعب ڈالنے کے لئے کہا۔

''اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم انسپکٹر جمشید کی اولاد ہو۔ کسی دن تمہارے گھر میں بھی چوری کرنے آؤں گا، دیکھوں گا تم کیسے پکڑتے ہو۔''

''تم چوری کرنے تو اس وقت آؤ گے، جب ہمارے ہاتھوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ خبردار، اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔'' فرزانہ نے جان بوجھ کر چلا کر کہا۔ اس کی آواز نے سیٹھ ارشاد کو جگا دیا۔ ان کی آنکھیں کھلیں اور کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔ رشید خان تم میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو۔'' انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

''رشید خان نہیں، شہباز چور کہیے۔'' محمود مسکرایا۔

''کیا کہا۔ شہباز چور۔ ارے باپ رے۔'' سیٹھ ارشاد گھبرا گئے۔

''جی ہاں، ذرا اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھئے۔ اس تھیلے اور اس گٹھڑی میں کیا ہے۔ آپ سب سمجھ جائیں گے۔''

''سیٹھ ارشاد نے متحیرانہ انداز میں تھیلے اور گٹھڑی کو دیکھا پھر حیران ہو کر بولے:

''ارے، یہ سب کیا ماجرا ہے۔ کیا ہے ان میں؟''

''اس کا جواب آپ کی کھلی تجوری دے گی۔''

سیٹھ ارشاد بجلی کی تیزی سے تجوری کی طرف مڑے۔ وہ دھک سے رہ گئے تجوری بالکل خالی تھی۔ وہ سمجھ گئے۔

''ت ۔۔۔ تو ۔۔۔ یہ ۔۔۔ سب چکر اسی نے چلا رکھا تھا۔'' وہ ہکلائے۔

''اس وقت سب سے ضروری کام اسے گرفتار کرنے کا ہے۔ یہ سب باتیں تو ہم

تفصیل سے بتائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"اور تم مجھے گرفتار نہیں کر سکو گے۔"

"یہ کام تو ہم آسانی سے کر لیں۔۔۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا، لیکن اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ رشید خان نے پھرتی سے تھیلا چھوڑ کر جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

"اب تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ سیٹھ ارشاد نے ان کو حیران ہو کر دیکھا اور خود بھی ہاتھ اٹھا دیئے۔ اب رشید خان نے دائیں ہاتھ میں پستول پکڑا اور بائیں ہاتھ میں گٹھڑی کے ساتھ تھیلا بھی اُٹھا لیا۔

اس نے ایک فخریہ نظر ان سب پر ڈالی اور دروازے کی طرف تیزی سے بڑھا۔

"اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا اور حلق سے آواز بھی نہ نکالنا، ورنہ ڈھیر کر دوں گا۔"

تینوں پُر سکون انداز میں کھڑے تھے، جب کہ سیٹھ ارشاد کا رنگ اُڑ چکا تھا۔ اسے اپنی دولت جاتی نظر آئی۔ رشید خان دروازے کے نزدیک پہنچ چکا تھا، جونہی وہ باہر نکلنے لگا۔ بیک وقت محمود اور فاروق کی ٹانگیں آگے نکل آئیں، ساتھ ہی فرزانہ نے رشید خان کو پیچھے سے دھکا دیا۔ رشید خان کسی طرح بھی سنبھل نہ سکا، اوندھے منہ فرش پر آ رہا۔ محمود نے ایک زبردست ٹھوکر اس کے ہاتھ پر رسید کی، پستول اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر پھسلتا ہوا دُور چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے، رشید خان بلا کی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اب خونخوار انداز میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیلا اور گٹھڑی فرش پر گر گئے تھے۔ لیکن وہ سب ان سے بے نیاز تھے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ پہلے ہی سنبھل چکے تھے اور اب خالی ہاتھ نہیں تھے یہ اور بات ہے کہ رشید خان کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں میں تین

خطرناک ہتھیار ہیں۔ ہتھیار جو ان کو پروفیسر داؤد نے دیئے تھے۔

جوں ہی رشید خان ان کے نزدیک پہنچا، فاروق نے اس کی طرف پنسل تراش اچھال دیا۔ رشید خان تیزی سے ایک طرف جھک گیا۔ پنسل تراش اس کے اُوپر سے ہوتا ہوا دروازے سے باہر جا کر گرا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایک دھماکے سے پھٹا، اس میں سے ایک شعلہ نکلا تھا لیکن رشید خان اس شعلے سے بالکل محفوظ رہا۔ فاروق کا وار خالی جاتے دیکھکر محمود نے ٹافی کا کاغذ اُتار کر رشید خان پر دے ماری اس بار بھی رشید خان جھکائی دے کر خود کو بچا گیا۔ ٹافی بھی ایک دھماکے سے پھٹی تھی لیکن اس میں سے شعلے کی بجائے آگ کی ایک لکیر سی نکلی تھی۔ رشید خان ایک بار پھر بال بال بچا تھا۔ لیکن اب وہ فرزانہ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا، فرزانہ کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ تھی۔

اور اس کے ہاتھ میں ایک گڑیا تھی۔ گڑیا کے پیٹ میں ایک سوراخ تھا، اس سوراخ کا رُخ رشید خان کی طرف تھا اور چند انچ کے فاصلے پر موجود تھا۔ فرزانہ نے رشید خان کو مہلت دینا مناسب نہ سمجھا، فوراً ہی گڑیا کا پیٹ دبا دیا۔ سوراخ میں سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر نکلی جو سیدھی رشید خان کی ناک کی طرف گئی۔ رشید خان کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ دوسری طرف اُلٹ گیا۔

دھماکوں اور چیخ کی آواز نے گھر کے سب افراد کو جگا دیا تھا اور اب وہ دوڑتے ہوئے اس کمرے کی طرف آ رہے تھے۔ سب اندر کا منظر دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔ لیکن محمود نے یہ کہہ کر سب کو اُلجھن میں مبتلا کر دیا۔

"اسے رسیوں سے باندھ کر ایک کمرے میں بند کر دو۔ دن کی روشنی میں ہم کل حالات آپ کے سامنے رکھیں گے۔ اس وقت ہم آرام کریں گے۔"

☆ ☆

دوسری صبح سب کے لئے حیرت اور خوشی کا پیغام لے کر آئی تھی۔ وہ ایک ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ آج انسپکٹر جمشید اور سب انسپکٹر اکرام بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ محمود نے صبح سویرے ہی فون کر کے انہیں بلوا لیا تھا۔ کمرے میں ایک طرف رشید خان بھی موجود تھا، لیکن اس کے ہاتھ اور پیر ابھی تک رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ناشتے کے وقت ضرور اس کے ہاتھ کھولے گئے تھے اور جو کچھ ان سب نے کھایا وہی اسے بھی کھلایا گیا تھا۔ یہاں غلام رسول باورچی اور رمضو مالی بھی موجود تھے۔ خاور اور روحی بھی اسکول نہیں گئے تھے۔ وہ سب ایک حیرت انگیز کہانی سننے کے لئے بے تاب تھے۔ سب کی نگاہیں، محمود، فاروق اور فرزانہ پر لگی تھیں۔ آخر کار انسپکٹر جمشید بولے:

''ہاں بھئی! اب شروع کرو۔ ہم سب تمہاری کہانی سننے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔''

''جی بہت بہتر ابا جان، یہ قصہ اس دن سے شروع ہوا، جب سیٹھ ارشاد صاحب آپ کے پاس دفتر تشریف لے گئے۔ آپ کو دروازے پر ٹھک ٹھک کی پُر اسرار آوازوں اور جرابوں کے بارے میں سنایا۔ ادھر تو یہ آپ کے پاس موجود تھے اُدھر کوئی بوڑھا شخص ہمیں تین جرابیں دے گیا۔ ہم حیران رہ گئے۔ آپ دفتر سے تشریف لائے تو ہمیں یہ کہانی سنائی اور تفتیش کی ذمے داری ہم پر ڈال دی۔ ہم یہاں چلے آئے۔ آتے ہی عجیب و غریب واقعات شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے تو روحی صاحبہ اپنے کمرے میں بے ہوش ملیں، ہوش میں آ کر انہوں نے بتایا کہ کسی شخص نے ان کا گلا گھونٹا تھا اور یہ کہ اس کے بازوؤں پر لمبے لمبے بال تھے اور رنگ سیاہ تھا۔ ہم یہی سمجھے کہ کوئی ضرور سیٹھ صاحب کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے گھر کے تمام افراد کے بازوؤں کا جائزہ لیا۔ غلام رسول باورچی اور رشید خان کے بازوؤں پر لمبے لمبے بال تھے اور دونوں کے بازو سیاہ رنگ کے بھی تھے۔ ہم چونک اٹھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان

دونوں میں سے کوئی ایک چور تھا۔

ہم نے رات کے وقت ان دونوں کی نگرانی کا پروگرام بنایا۔ پہلی ہی رات نگرانی کرنے پر دو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوئیں۔ فاروق، رشید خان کے کمرے کی نگرانی کر رہا تھا۔ رشید خان اپنے کوارٹر سے نکلا اور گھر سے باہر نکل کر ایک کھڑکی کے ذریعے اسٹور روم میں داخل ہوا۔ اس کے واپس جانے کے بعد فاروق نے اسٹور روم اور کباڑ خانے کا جائزہ لیا تو اسے وہاں چابیوں کا ایک گچھا نظر آیا۔ دوسری طرف فرزانہ غلام رسول باورچی کے پیچھے تھی۔ یہ بھی رات کے وقت اٹھے اور باورچی خانے کی کھڑکی کھول کر باہر پھلانگ گئے۔ میں پورے مکان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ میں دراصل یہ راز جاننا چاہتا تھا کہ ٹھک ٹھک کون کرتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ دستک کی یہ آوازیں ضرور ٹیپ کی ہوئی ہیں۔ آخر ایک ٹیپ ریکارڈ مجھے سیٹھ ارشاد کے کمرے میں نظر آ گیا۔ ہم تینوں اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کی کہانی سنی۔ بہت حیران ہوئے۔ دوسری صبح ٹیپ ریکارڈ چپکے سے اٹھا کر لے آئے اور اسے سنا۔ مگر اس میں دستک کی آواز موجود نہیں تھی۔

رات کو پھر نگرانی کا پروگرام بنایا۔ دروازے پر دستک پہلی رات کو بھی ہوئی تھی لیکن اس وقت ہم سیٹھ صاحب کے کمرے کی نگرانی نہیں کر سکے تھے۔ دوسری رات ہم نے ان کے دروازے کی نگرانی کا پروگرام بنایا۔ ہمیں کسی کے دوڑنے اور دھم سے گرنے کی آوازیں بھی آئیں، لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ دوسرے دن شام کو میں گھر سے باہر نکل گیا تو فاروق اور فرزانہ پریشان ہو گئے۔ میں انہیں سوتا چھوڑ گیا تھا۔ یہ مجھے تلاش کرتے کرتے کباڑ خانے تک جا پہنچے۔ یہاں سے چابیوں کا گچھا غائب تھا۔ اسی وقت میں واپس آ گیا۔

''لیکن تم کہاں گئے تھے۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''میں ابھی بتاتا ہوں ابا جان۔'' محمود نے انہیں کے انداز میں مسکرا کر کہا اور پھر سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

''چابیوں کا گچھا غائب ہونا پریشان کن بات تھی۔ ہم سمجھ گئے، خطرہ سر پر آ گیا ہے۔ رات کو ہم پھر نگرانی کرنے لگے۔ ہم نے رشید خان کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ رشید خان اپنی چابیوں سے دروازہ کھولنے کے بعد تجوری کا دروازہ بھی کھول چکا تھا۔ کیونکہ یہ اس گھر میں رہ کر چابیوں کا نمونہ دیکھ چکا تھا اور اپنے گچھے میں ان کے مطابق چابیاں شامل کر چکا تھا۔۔۔ دراصل یہ رشید خان نہیں۔''۔۔۔۔

''شہباز چور ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' تینوں حیران رہ گئے۔

''میں تو اسے پہلے دن ہی پہچان گیا تھا، جب کار میں اسے دیکھا تھا اور یہ بھی بتا دوں کہ میں اس کا ارادہ بھی تاڑ گیا تھا اور مکان کی نگرانی اسی روز سے کی جا رہی تھی۔ اگر تم بے خبر بھی ہوتے تو بھی یہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔''

''اوہ! تو آپ کو یہ باتیں پہلے ہی معلوم تھیں۔''

''صرف یہ بات کہ یہ رشید خان نہیں، شہباز چور ہے، اور کچھ معلوم نہیں تھا۔''

''یہ بات تو معلوم ہو گئی۔ چور بھی پکڑا گیا، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے دروازے پر دستک دینے اور جرابیں لٹکانے کی کیا ضرورت تھی۔ آ کر ان حرکتوں سے اس کا کیا مطلب تھا۔'' سیٹھ ارشاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ کام اس کا نہیں تھا۔'' محمود نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''کیا کہا۔ اس کا نہیں تھا؟'' کئی آوازیں اُبھریں۔

''ہاں! اس گھر میں دراصل ایک ہی وقت میں دو چکر چل رہے تھے۔ دونوں

چکروں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ رشید خان چوری کا منصوبہ بنا رہا تھا، لیکن دوسرا چکر عجیب و غریب تھا۔''

''تو پھر آخر دروازے پر دستک کون دیتا تھا۔ جرابیں کون لٹکاتا تھا۔'' خاور نے حیران ہو کر کہا۔ روحی بھی کچھ کم حیران نہ تھی۔

''کیوں رشید خان! کیا تم دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔'' محمود نے اچانک پوچھا۔

''ہرگز نہیں، میں چور ضرور ہوں۔ لیکن میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔''

''اچھا، تم نے اس روز روحی کا گلا گھونٹا تھا؟''

''بالکل نہیں۔ مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا فائدہ تھا۔''

''بالکل ٹھیک۔ غلام رسول صاحب کیا آپ نے ان کا گلا گھونٹا تھا؟''

''ہرگز نہیں، بھلا میں کیوں گھونٹتا۔''

''تو۔ تو پھر روحی کا گلا کس نے گھونٹا تھا۔'' سیٹھ ارشاد حیران رہ گئے۔

''اچھا یہ بتائیں۔۔۔ آپ رات کے وقت باورچی خانے کی کھڑکی پھلانگ کر کہاں جاتے ہیں۔'' محمود نے پھر غلام رسول سے پوچھا۔

''جی۔۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔۔ آپ میری بات کا جواب نہیں دینا چاہتے۔ خیر جانے دیں۔ ہاں تو۔۔۔'' وہ سب کی طرف مڑ کر کہنے لگا:

''جی ہاں! اور سنئے، غلام رسول صاحب ہی وہ آدمی ہیں جو ٹھک ٹھک کیا کرتے تھے اور پھر صبح ہونے سے پہلے جراب لٹکا دیا کرتے تھے۔''

''کیا؟'' ان سب کے منہ سے نکلا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غلام رسول باورچی کو دیکھنے لگے۔ غلام رسول بُری طرح بوکھلا گیا۔ اس کا رنگ اڑ گیا سیٹھ ارشاد تو اُسے بُری طرح گھور رہے تھے۔

''نہ نہ۔۔۔ سیٹھ صاحب، انہیں اس طرح نہ گھوریں۔ اب سُنئیں اس نے ٹھک ٹھک کی آواز والا ٹیپ ریکارڈ باغ میں ایک درخت کی کھوہ میں چھپایا ہوا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ کا مائیک آپ کے دروازے کے اوپر جو روشن دان ہے، اس میں پوشیدہ ہے۔ غلام رسول صاحب رات کو مقررہ وقت پر باورچی خانے کی کھڑکی کے ذریعے باغ میں کود جاتے ہیں اور ٹیپ ریکارڈ چلا دیتے تھے۔ ٹیپ ریکارڈ ریسلوں سے چلتا ہے۔ آپ کو یوں لگتا جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔ آپ اٹھ کر دروازے پر آتے تو ریکارڈ اتنی دیر میں ختم بھی ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ پہلے ہی جاگ رہے تھے اور پہلی دستک پر ہی دروازے پر چلے آئے تو دروازہ کھلنے کے باوجود بھی کھٹ کھٹ ہو رہی تھی؛ حالانکہ وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ آپ بہت پریشان ہو گئے اور ابا جان کے پاس جا پہنچے۔ کیونکہ آپ ان سے بہت متاثر تھے اور اکثر ان کے بارے میں اخبارات میں پڑھ کر اپنے بچوں سے ذکر کرتے رہتے تھے۔ نہ صرف ان کا بلکہ ہم تینوں کا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے آپ اکثر ہمارے بارے میں خاور اور روحی صاحبہ سے باتیں کرتے تھے۔''

''ہاں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔'' سیٹھ ارشاد کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

''تو بس۔ اس چکر کے شروع ہونے کی یہی وجہ ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''مطلب یہ کہ آپ کے دونوں بچے ہمارے بارے میں سُن سُن کر تنگ آ چکے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں، اخبارات والے بے پر کی اُڑا دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے چاہا، یہ بات آپ پر بھی ثابت کر دیں۔ یہ ثابت کر دیں کہ دراصل ہم کسی قابل نہیں ہیں۔ دونوں نے خوب سوچ بچار کرنے کے بعد ایک جامع منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے میں انہوں نے غلام رسول صاحب کو بھی ساتھ ملایا کیونکہ

ان کی مدد کے بغیر یہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے ٹیپ میں دستک کی آواز بھری۔ نہ جانے کہاں سے ان کے ذہن میں جرابیں لٹکانے کا خیال آ گیا۔ دراصل یہ معاملے کو زیادہ سے زیادہ پُراسرار بنانا چاہتے تھے تاکہ سیٹھ صاحب آپ ابا جان کے پاس دوڑے جائیں۔ یہی ہوا بھی۔ ادھر یہ ابا جان کے پاس گئے، ادھر ان کے دونوں نے تین جرابیں ہمارے ہاں بھیج دیں تاکہ ہم تینوں کو بھی اس چکر کی بھنک پڑ جائے اور ہم بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ ہر بات ان کی خواہش کے مطابق ہوئی۔ اور ہم یہاں پہنچ گئے۔ معاملے کو اور بھی زیادہ پُراسرار بنانے کے لئے روحی صاحبہ جان بوجھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گلے کو مسل کر سُرخ کر لیا تاکہ معلوم ہو، گلا واقعی گھونٹا گیا ہے۔ دراصل انہوں نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا اور فوراً ہی یہ پروگرام بنا ڈالا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بتایا کہ گلا گھونٹنے والے بازو سیاہ اور بالوں والے تھے۔ اس گھر میں رشید خان اور غلام رسول کے بازو سیاہ اور بالوں والے تھے اور ہم نے ان دونوں کی نگرانی شروع کر دی۔ دوڑتے قدموں اور دھم سے گرنے کی آواز بھی انہوں نے خود ہی پیدا کی تھی اور اپنے کمرے میں گھس گئے تھے۔ اور یہ کتنا حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اسی نگرانی کے نتیجے میں رشید خان یا شہباز چور اس وقت رسیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ خیر ہم نگرانی نہ کرتے تو بھی ابا جان کی وجہ سے یہ گرفتار ضرور ہو جاتا؛ تاہم یہ کہنا ہی پڑے گا کہ نہ خاور صاحب اور روحی صاحبہ یہ چکر چلاتے نہ شہباز چور پکڑا جاتا، کیونکہ اس چکر کی وجہ سے سیٹھ ارشاد صاحب ابا جان کے پاس گئے تھے۔ بس جناب، یہی میری کہانی تھی۔ اب اگر خاور صاحب اور روحی صاحبہ چاہیں تو میرے ان دلائل کو جھٹلا سکتے ہیں۔ ان باتوں سے سرے سے انکار کر سکتے ہیں۔''

''نہیں، یہ سب کچھ بالکل صحیح ہے۔ ہم نے یہی سوچا تھا کہ آپ لوگوں کو ناکامی کا

سامنا کرنا پڑے گا اور آپ کبھی بھی اس راز کو نہ جان سکیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے، یہ کیس تو آپ کے لئے بہت ہی آسان ثابت ہوا ہے۔" خاور نے شرمسار لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، بہت آسان۔ ذہن پر ذرا بھی زور نہیں دینا پڑا۔ ہمیں تو خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی اس شرارت سے آپ لٹنے سے بال بال بچ گئے۔ فرض کیجیے۔ یہ جرابوں والا چکر نہ چلتا اور ہم یہاں نہ آ گئے ہوتے تو اس وقت آپ کی تجوری خالی ہوتی اور رشید خان عرف شہباز چور یہاں سے غائب ہوتا۔" محمود نے کہا۔

"اور جو بھی ۔ ۔ ۔ جو پولیس کو ہمیشہ جل دے جاتا ہے۔ یہ آج سے پہلے صرف ایک مرتبہ پکڑا گیا ہے۔ اس وقت اس نے ایک بہت بڑے رئیس کے گھر میں چوری کی تھی۔ اس رئیس نے اپنے گھر اور دولت کی حفاظت کے لئے چھ آدمی ملازم رکھے ہوئے تھے۔ بس یہ ان میں گھر گیا، اوپر سے پہنچ گئی پولیس اور اس طرح یہ فرار نہ ہو سکا۔ لیکن جانتے ہو، ہوا کیا۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر رک گئے۔

کسی کے منہ سے کچھ نہ نکلا۔ وہ انسپکٹر جمشید اور شہباز چور کو دیکھ رہے تھے۔ آخر انہوں نے خود ہی بتایا:

"تیسرے دن ہی یہ جیل سے فرار ہو گیا۔ پولیس اس کے پیچھے دوڑی اسے ہر طرف تلاش کیا گیا مگر کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔"

"لیکن کیسے۔ یہ جیل سے کیسے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دراصل یہ ایک بہت ماہر نقب زن بھی ہے۔ اس نے جیل کی دیوار میں نقب لگائی تھی۔ اس طرح کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چل سکا۔ لیکن اب یہ بچ نہیں سکے گا۔ جیل سے فرار بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس مرتبہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی، پھر یہ لاکھ نقب لگائے، بھاگ نہیں سکے گا۔ اکرام، اس کے ہاتھوں

میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔"

"جی بہت بہتر۔"

اکرام نے اپنے ساتھی کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا۔ دو کانسٹیبل شہباز کی طرف بڑھے پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ ان سب نے انہیں رکتے دیکھا اور پھر حیران ہو کر شہباز کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

شہباز کے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا چاقو تھا۔ اس کے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کو جن رسیوں سے باندھا گیا تھا، وہ فرش پر پڑی تھیں اور اب انہیں یاد آیا۔ ان سے کیا غلطی ہوئی تھی۔

رات کے وقت جب ان کی شہباز سے جھڑپ ہوئی تھی تو اس نے خود بتایا تھا کہ اس کے پاس ایک چاقو اور ایک پستول ہے۔ پستول تو اس نے اسی وقت نکال لیا تھا۔ پھر فرزانہ کی گڑیا کام کر گئی تھی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسے باندھ کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ابھی دشمن کے پاس ایک چاقو بھی موجود ہے۔ اس کے ہاتھ کمرے پر باندھے گئے تھے۔ چاقو اس نے اپنی پنڈلی کے ساتھ چمڑے کی پٹی سے لگایا ہوا تھا۔ اس صورت میں اس کے لئے چاقو نکال لینا بھلا کیا مشکل کام تھا۔ بند کمرے میں اس نے چاقو پنڈلی سے اتار لیا اور اس سے رسیاں کاٹ لیں۔ پھر ان رسیوں کو دوبارہ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر لپیٹ لیا۔ اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چلا۔ اب اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے بندھے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ رسیاں صرف لپٹی ہوئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر اب وہ ان کے سامنے آزاد کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔

"شہباز چور کو تم سب نے غلط سمجھا۔ وہ اتنی آسانی سے تمہارے قابو میں آنے والا ہرگز نہیں۔ خبردار، کوئی بھی حرکت نہ کرے، اگر کسی نے پستول وغیرہ نکالنے کی کوشش

کی تو میرا چاقو والا ہاتھ کام کر جائے گا اور یہ بات انسپکٹر جمشید اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں چاقو پھینکنے میں کس قدر ماہر ہوں۔ جس نے بھی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی، میرا چاقو اس کے دل کے آر پار ہو جائے گا۔ اگر دل میں سوراخ کرانے کا کسی کو شوق ہو تو وہ ضرور حرکت کر کے دیکھ لے۔"

وہ سب سناٹے میں آ گئے۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔۔۔ کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

"ہاں، یہ ٹھیک کہتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ ہم میں سے کسی کے ہاتھ میں اس وقت کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اتنے میں ہم پستول نکالیں گے، یہ وار کر چکا ہوگا۔" انہوں نے بتایا۔

ان کے الفاظ سن کر شہباز چور نے ایک طویل قہقہہ لگایا پھر بولا:

"انسپکٹر۔۔۔ میں نے رات تمہارے بچوں سے کہا تھا کہ ایک دن میں تمہارے گھر میں بھی چوری کرنے آؤں گا۔ سن لو۔۔۔ میں تمہیں خبردار کئے دیتا ہوں۔ میں ضرور آؤں گا۔"

"لیکن تمہیں میرے گھر میں کچھ نہیں ملے گا۔ وہاں کوئی تجوری نہیں ہوگی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھا خیر۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تو مجھے یہاں سے جانا ہے۔ سیٹھ ارشاد، تمہاری تجوری کا صفایا کرنے میں بھی پھر حاضر ہوں گا۔ اس وقت تو میرے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ دوبارہ تجوری کھولوں، نقدی کو تھیلے میں بھروں اور چاقو ہاتھ میں لئے تم سب پر نگاہ بھی رکھوں۔ نہیں، اس وقت یہ کام بہت مشکل ہے۔ یہی بہت ہے کہ میں یہاں سے بچ کر جا رہا ہوں۔ کیا یہ کم کارنامہ ہے کہ میں جا رہا ہوں اور انسپکٹر جمشید اور اس کے بچے کھڑے ہاتھ مل رہے ہیں۔ شکست ان کے چہروں پر صاف

پڑھی جا سکتی تھی۔ انہوں نے اتنی بڑی شکست کبھی نہ کھائی ہوگی۔ لیکن اس پر معاملہ ختم نہیں ہو جائے گا۔ میں اس شہر میں رہوں گا اور انہیں شکست پر شکست دوں گا۔ لوگ بھول جائیں گے، ان کے کارناموں کو۔ اچھا خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں دروازے کی طرف چلنے لگا۔ وہ سب دم بخود کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے آپ سے بار بار کہہ رہے تھے، یہ کیا ہو گیا۔ کاش، وہ اس کے چاقو کو بھول نہ گئے ہوتے۔

اور پھر دروازے تک پہنچ گیا۔ اچانک انسپکٹر جمشید چلائے:

"زور سے۔"

"شہباز نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا کیونکہ انسپکٹر جمشید کا انداز ہی ایسا تھا جیسے کوئی پیچھے شہباز پر وار کر رہا تھا اور انہوں نے اس سے کہا تھا۔۔۔ زور سے۔

جونہی وہ مڑا، انسپکٹر جمشید نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ سب ان کی اس چھلانگ پر حیران رہ گئے۔ انہیں یوں لگا جیسے انسپکٹر جمشید ہوا میں تیرتے ہوئے شہباز کی کمر سے جا ٹکرائے ہوں۔ دوسرے ہی لمحے شہباز اور وہ فرش پر گر پڑے۔ انسپکٹر جمشید نے اپنے دائیں ہاتھ سے شہباز کا چاقو والا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور وہ اس کے ہاتھ کو جھٹکے پر جھٹکا دے رہے تھے۔ آخر چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اکرام نے لپک کر چاقو اٹھا لیا اور پستول جیب سے نکال لیا۔ انسپکٹر جمشید اسے چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"مجھے افسوس ہے، اب تم میرے گھر چوری کرنے نہیں آ سکو گے۔"

شہباز کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ اب اس کے پاس کہنے کے لئے رہ ہی کیا گیا تھا۔

"اُف خدا، یہ کتنے سنسنی خیز لمحات تھے۔ اگر یہ بچ کر نکل جاتا تو ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

’’ہاں، پھر ہم خود ہی اپنے منہ آئینوں میں دیکھ لیا کرتے۔‘‘ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

’’جب کہو گے، بے تکی بات کہو گے۔‘‘ محمود نے منہ بنایا، پھر بولا:

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب یہ قصہ ختم ہو گیا ہے۔ ہم ایک بار پھر بال بال بچ گئے۔ اور ابا جان آپ نے پوچھا تھا، میں گھر سے باہر کہاں گیا تھا تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔‘‘

’’ہاں، تم باغ میں ٹیپ ریکارڈ تلاش کرنے گئے تھے جو تمہیں درخت کی کھوہ میں مل گیا۔‘‘

’’جی ہاں۔‘‘

’’اس کے بعد اکرام نے باہر کھڑے کانسٹیبلوں کو شہباز چور کو گرفتار کرنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ اس کے بعد وہ سب پائیں باغ میں گئے اور ٹیپ ریکارڈ چلا کر دیکھا۔

’’ایک بات رہ گئی۔‘‘ اچانک فرزانہ چونکی۔ سب اس کی طرف مڑے۔

’’وہ بوڑھا کون تھا، جس کے ہاتھ آپ نے جرابیں بھیجی تھیں۔‘‘

’’وہ۔ وہ ایک راہ گیر تھا۔ میں نے دس روپے کا ایک نوٹ دے کر اسے آپ کے دروازے پر بھیج دیا تھا۔ اس وقت میں آپ کے گھر کے پاس ہی کھڑا تھا۔‘‘

’’لیکن آپ کو ہمارے گھر کا پتا کیسے چلا؟‘‘ فاروق نے پوچھا۔

’’یہ بات تو اخبارات سے ہمیں معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کون سے اسکول میں پڑھتے ہیں، آپ کی تصویریں بھی ہم اخبارات میں دیکھ چکے تھے۔ اس لئے ہم دونوں ایک دن اسکول پہنچ گئے تھے اور بہت ہی احتیاط سے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے آپ کا گھر دیکھ آئے تھے۔‘‘

’’کمال ہے، ہمیں محسوس تک نہیں ہوا کہ کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔‘‘

’’دراصل ہم جانتے تھے کہ آپ لوگ بہت تیز ہیں، اس لئے بہت فاصلہ رکھ کر تعاقب کیا تھا۔‘‘

’’کچھ بھی ہو، میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں، آپ کی وجہ سے میرے لاکھوں روپے بچ گئے۔ میری طرف سے یہ دس ہزار روپے کا چیک قبول کریں۔‘‘ سیٹھ ارشاد نے چیک ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’شکریہ انکل۔ یہ چیک کسی غریب کو دے دیں تا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کر سکے۔‘‘ فاروق نے کہا۔

’’اچھا جیسے آپ کی مرضی۔‘‘

’’اب ہمیں اجازت دیں۔ تین دن سے ہم نے اپنی امی کی شکل نہیں دیکھی وہ بہت پریشان ہوں گی اور گھر پہنچنے پر نہ جانے اس کارنامے پر ہمیں کیا کیا سنائیں گی۔ ہم آپ کو اپنی باتیں سنا چکے، اب ہمیں جا کر ان کی سننے دیجئے۔‘‘

فاروق کی اس بات پر ایک زوردار قہقہہ لگا اور جب وہ وہاں سے رخصت ہوئے تو وہ سب کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں رخصت کر رہے تھے۔

وہ انسپکٹر اکرام کی لائی ہوئی جیپ میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆ ☆

ابھی دو ماہ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ ایک روز خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا:

’’ہیلو۔‘‘

’’ہیلو رحمان کہو کیا حال ہے۔‘‘

’’بس یار ٹھیک ہی ہوں۔ میں اور بیگم ایک شادی میں جا رہے ہیں۔ بچے گھر میں

تجار ہیں گے، اس لئے تم بچوں کو یہاں بھیج دو۔"

"تو بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لے جاتے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"دعوت نامے پر صرف میرا اور بیگم کا نام ہے۔"

"سمجھ گیا۔ لیکن بھئی ان دنوں رات کے وقت گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں! کیا ان دنوں رات کو گھر سے باہر رہنے والوں کے چالان کر دیئے جاتے ہیں۔" خان رحمان ہنسے۔

"یہ بات نہیں، پچھلے چند دنوں سے شہر میں تجوریاں توڑنے کی کئی وارداتیں ہو چکی ہیں اور یہ وارداتیں صرف ایسے گھروں میں ہوئی ہیں جن کے رہنے والے کہیں گئے ہوئے تھے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میرا نام خان رحمان ہے۔ چور میرے گھر کا رُخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے، بس تم ان تینوں کو بھیج دو۔"

"اچھی بات ہے۔"

-----------☆☆☆-----------

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk